تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس اُردو

عمیرہ احمد کے مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر

(میری ذات ذرہ بے نشاں، یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے، آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں)

محقق

نازیہ رخسانہ

149-FLL/MSURDU/F14

نگران

ڈاکٹر حمیرا اشفاق

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

شعبہ اُردو

کلیہ زبان و ادب

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

International Islamic Univ.
CENTRAL LIBRARY
ISLAMABAD

Accession No IH-22504

MS
891.6393
ع ا ن

اردو ادب - ناول

" - ناول - انگریزی الفاظ

بسم الله الرحمن الرحيم

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **Nazia Rukhsana**

Title of the Thesis: " عمیرا احمد کے مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر (میری ذات ذرہ بے نشاں، جو اک صبح کا ستارہ ہے، آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں

Registration No: 149-FLL/MSURDU/F14

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Prof. Dr. Munawar Iqbal Ahmad
Dean Faculty of Language & Literature IIUI

Chairperson Department of Urdu:

Dr. Najeeba Arif
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

External Examiner:

Dr.Zafar Hussain
Department of Urdu,AIOU, Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Saira Batool
Assistant Professor, Department of Urdu Female IIUI

Supervisor:

Dr. Humaira Ishfaq
Assistant Professor Department Of Urdu Female IUII

الجامعة الإسلامية العالمية
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
شعبہ اُردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ نازیہ رخسانہ رجسٹریشن نمبر149-FLL/MSURDU/F14 نے ایم۔فل۔اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان **"عمیرہ احمد کے مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر (میری ذات ذرہ بے نشاں، یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے، آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں)"** رقم کیا ہے۔میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر حمیرا اشفاق

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

پیش لفظ

میں اپنے رب العزت کی بہت شکر گزار ہوں جس کی کرم نوازی سے میں نے علم اور تحقیق کی دنیا میں قدم رکھا۔ تحقیق علم کی ایک ایسی وادی کا نام ہے جس میں داخل ہوتے ہی محقق اسرار و رموز کی ایک نئی دنیا کی سیر کرتا ہے۔ تحقیق علم کے جس بھی شعبے میں کی گئی محقق پر اس وسیع و عریض کائنات کے راز منکشف ہوتے گئے۔ مولا کریم کا اس کائنات پر احسان عظیم ہے جس نے روز ازل سے ہی ہر شعبہ علوم میں ایسے محققین پیدا کیے جو تحقیق کے میدان میں اس قدر محو ہوئے کہ اپنی ذات کو فراموش کر بیٹھے۔ تحقیق ہی ترقی کا زینہ ہے۔ یورپی ممالک تحقیق سے ہی ٹیکنالوجی کی اس دنیا میں راج کر رہے ہیں جبکہ تیسری دنیا کے ممالک جن کے لیے وہ Third World Countries کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، تحقیقی میدان میں ان سے بہت پیچھے ہیں۔ یورپی ممالک نے ہمارے سیاسی، معاشی، اقتصادی، مذہبی، ثقافتی، تعلیمی، لسانی اور ادبی شعبوں پر اپنی سامراجی اجارہ داری قائم کی ہوئی ہے۔ ان کی ہماری زبان پر اس سامراجی اجارہ داری کو ہی لسانی استعماریت کا نام دیا جاتا ہے۔

سامراج سے مراد ایک قوم کا دوسری قوم پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ طاقت ور یورپی اقوام نے تیسری دنیا کے ممالک پر یہ غاصبانہ کیا ہوا ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان کا شمار بھی تیسری دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جو آزادی کے اتنے سال گزرنے کے بعد بھی یورپی اقوام کی ذہنی غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکا۔ اس ذہنی غلامی کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم اپنے زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ لسانی استعماریت اردو زبان کو ختم کرنے کی شعوری اور لاشعوری کوشش کر رہی ہے۔ ہمارے ماہر لسانیات خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں کیونکہ اردو زبان ان سے اس بات تقاضا کرتی ہے کہ ہر نئے آنے والے لفظ کو اردو الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ ایسا نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے انگریزی الفاظ اردو زبان و ادب اور معاشرے میں بولی جانے والی زبان کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ نو آبادیاتی نظام کے ادب میں تو انگریزی الفاظ کا استعمال کچھ سمجھ میں آتا ہے کیونکہ انگریز اس وقت ہمارے حکمران تھے مگر اب تو وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔ اب بھی ہمارا وہ ہی حال ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری روزمرہ گفتگو سے لے کر ادب تک لسانی استعماریت کا راج ہے۔

میرے تحقیقی مقالے کا موضوع نیا اس وجہ سے ہے کیونکہ ہمارے مقبول عام ناولوں پر اس حوالے سے تنقیدی نظر نہیں ڈالی گئی۔ یہ ایک اہم موضوع تھا کہ کیسے ہمارے مقبول عام ناول لکھنے والے ناول نگار کثرت سے اپنے

ناولوں میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال کر رہے ہیں جبکہ اردو میں ان الفاظ کے بہترین متبادلات موجود ہیں۔ میرے تحقیقی مقالے کا موضوع عمیرہ احمد کے مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے عمیرہ احمد کے ناولوں میں کثرت سے انگریزی الفاظ کے استعمال کا براج بہاری کچرو(Braj Bihari Kachru) کے پیش کردہ فریم ورک کے تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ براج بہاری کچرو ہندوستانی ماہر لسانیات تھے۔ ان کے مطابق ساری دنیا میں انگریزی زبان کا پھیلاؤ لسانی استعماریت کی ایک شکل ہے ۔انگریزی زبان دوسری زبانوں کی ترقی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بنتی جارہی ہے۔

تحقیقی مقالے کے لیے موضوع کا انتخاب ہمیشہ سے ہی نئے سکالرز کے لیے ایک مسئلہ رہا ہے۔ جب میں نے اپنے تحقیقی مقالے کے لیے موضوع کا انتخاب کیا اور اپنی جامعہ کی قابل احترام اور شفیق استاد ڈاکٹر حمیرا اشفاق احمد صاحبہ سے میری اس حوالے سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ تنقید کے حوالے سے یہ ایک ایسا موضوع ہے جس سے اردو زبان کی بقا کی ایک نئی بحث جنم لے سکتی ہے کیونکہ اردو زبان کے بہت سے عام استعمال کے الفاظ زبان کے پیش منظر سے محو ہوتے جارہے ہیں۔ یہ ہماری زبان کے لیے فکر انگیز صورت حال ہے۔ مقالے کی تکمیل کے دوران مجھے کچھ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا جو میری قابل عزت اور معزز نگران کے مفید مشوروں سے حل ہوتے گئے۔ ان کی محبت بھری شفقت اور حوصلہ افزائی سے مجھے نیا عزم ملتا رہا۔ ان کے مفید مشوروں سے ہی میں نے اس مقالے کو تکمیل تک پہنچایا۔

اس مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ۔مقالے کے پہلے باب میں لسانی استعماریت کے مقاصد ،وجوہات اور اثرات پر تنقیدی نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مابعد نوآبادیاتی عہد میں لسانی استعماریت کا راج یورپی اقوام کا تیسری دنیا کے ممالک پر دوبارہ راج کرنے کے مترادف نظر آتا ہے۔ یہ لسانی استعماریت کا ہی اثر ہے کہ ہم اپنی زبان کو کم تر گھٹیا اور فرسودہ سمجھتے ہیں۔ انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں تیسری دنیا کے تمام سرکاری اور نجی ادارے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ انگریزی زبان کے کثرت سے استعمال سے دنیا کی مقامی زبانوں کو خطرہ لاحق ہے کہ وہ آنے والے برسوں میں دنیا کے استعمال کے منظر نامے سے غائب ہو جائیں گی۔ مقالے کے دوسرے باب میں عمیرہ احمد کے مقبول عام ناول میری ذات ذرہ بے نشاں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی طرح تیسرے باب میں ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے میں اور چوتھے باب میں ناول آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں انگریزی الفاظ کے استعمال پر تنقیدی نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تینوں ناولوں میں انھوں نے کثرت سے ایسے انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے جن کے بہترین اردو متبادلات موجود ہیں۔ مقالے کے چوتھے باب

کے اختتام پر فرہنگ دی گئی ہے جس میں عمیرہ احمد کے ان تینوں ناولوں میں استعمال ہونے والے انگریزی الفاظ کے معنی درج کیے گئے ہیں۔

میرے مقالے کی تکمیل اللہ رب العزت کی رحمت اور مدد سے ممکن ہوئی۔ میں بالخصوص شکر گزار ہوں اپنی مقالے کی نگران ڈاکٹر حمیرا اشفاق صاحبہ کی جن کی قدم قدم پر رہنمائی میرے ساتھ رہی۔ میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں ڈاکٹر فوزیہ جنجوعہ صاحبہ کی جن کا تعلق انگلش ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ ان دونوں اساتذہ کی بصیرت، توجہ ،اعانت اور قیمتی مشورے میرے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی میں شکر گزار ہوں اپنی بہت ہی میٹھی اور شفیق صدر شعبہ ڈاکٹر نجیبہ عارف صاحبہ کی جن کی حوصلہ افزائی اور شفقت میرے ساتھ رہی۔

ان عظیم ہستیوں کے ساتھ ساتھ میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی بے حد ممنون ہوں بالخصوص میرے بھائی زاہد عمران خان، نوید کامران خان، یاسر مسعود خان اور پیاری بہن کی۔ میرا تحقیقی مقالہ میرے ان سب عزیزوں کی دعاؤں اور شفقت کا حاصل بھی ہے۔

نازیہ رخسانہ

فہرست موضوعات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	
۱۔	**باب اوّل:**	
	لسانی استعماریت: تجزیاتی مطالعہ	۱
۲۔	**باب دوم:**	
	عمیرہ احمد کے مقبول عام ناول میری ذات ذرہ بے نشاں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ	۳۰
۳۔	**باب سوم:**	
	یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ	۶۲
۴۔	**باب چہارم:**	
	آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ	۸۳
	ماحصل	۱۰۳
	کتابیات	۱۰۸

باب اوّل:

لسانی استعماریت: تجزیاتی مطالعہ

باب اوّل

لسانی استعماریت: تجزیاتی مطالعہ

زبان انسانی ضروریات کے تحت جنم لیتی ہے۔ مختلف زبانوں کا جنم اس وقت ہوتا ہے جب انسان سماجی گروہ بندیاں کرتا ہے۔ تبادلے اور لین دین کے لیے زبان ذریعہ اظہار بنتی ہے انسانی سماج انسانی گروہ بندیوں پر مشتمل ہوتا ہے جو انسان کے فکری، ذہنی اور طرز حیات کا امین ہوتا ہے۔ سماج انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جس کا نظام انسان اپنی ضروریات کے تحت تشکیل دیتا ہے۔ یہ رسم ورواج، عقائد واعمال اور تہذیب وثقافت کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر سمولیتا ہے اور سماج کے اندر ان سب کا تبادلہ زبان کے تحت ہوتا ہے جو کبھی تقریری صورت میں ہوتا ہے اور کبھی تحریری صورت میں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا زبان کے بارے میں کہنا ہے:

> "انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے کہ انسان کے پاس بولتی ہوئی زبان ہے اور حیوان کی گنگ ہے۔ یہی بولتی زبان انسانی شعور کی علامت ہے۔ اس کے دکھ درد، خوشی غمی، خیال واحساس، جذبہ اور فکر وتجربہ کا اظہار ہے"[1]

لفظ سامراج کی مختلف تعبیریں ملتی ہیں۔ سامراج سے مراد ایک قوم کے افراد کا دوسری قوم پر غلبہ اور اقتدار ہے۔ کبھی یہ غلبہ کسی حکومت کے سوچے سمجھے منصوبے کا اور کبھی کسی فیصلے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کبھی ایک قوم دور کی سرزمینوں میں نکل جاتی ہے اور وہاں کی اصل آبادی کو اپنا غلام بنالیتی ہے۔ اس غلامی کی مثال برطانیہ کا ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ یورپی اقوام کا پسماندہ ممالک پر مسلط کردہ نوآبادیاتی نظام اس قبضے کی مثال ہے۔ برطانوی سامراج نے ہندوستان میں انگریزی زبان کو متعارف کروایا۔ تاج برطانیہ کی طرف سے ہندوستان میں انگریزی زبان کے فروغ کے پیچھے اس خطے کی خیر خواہی کی کوئی سوچ نہیں تھی بلکہ انگریزی زبان کو نوآبادیاتی غلبے کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ ہندوستانیوں کو یہ زبان سکھا کر برطانوی مفادات کے حصول کی راہ ہموار کرنی تھی۔

برصغیر طویل عرصے تک برطانیہ کی نوآبادی رہا۔ اس طویل عرصے میں جہاں نوآبادیاتی نظام نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا وہاں ہندوستانیوں کی زبان بھی سامراجی نظام کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ یورپ کے سابقہ نوآبادیاتی نظام نے تمام نوآبادیوں کی زبانوں پر بہت برے اثرات مرتب کیے۔ لسانی استعماریت کا دور اس وقت شروع ہوا جب نوآبادکاروں نے اپنی زبان، تہذیب وثقافت، معاشرت اور سیاسی نظام کو نوآبادیاتی باشندوں پر مسلط کیا۔ ان

کی زبان اور تہذیب و ثقافت کو کم تر اور گھٹیا سمجھا۔ لسانی استعماریت سامراجی نظام میں مخصوص باشندوں تک زبان کی منتقلی کا طریقہ کار ہے۔ زبان کی منتقلی کا یہ دائرہ کار اس وقت وسعت اختیار کرتا ہے جب اس میں ترجمہ کا عمل بھی شامل ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں مذہبی، طبقاتی اور لسانی تقسیم سامراجی نظام حکومت کی دین ہے۔ انگریز قوم نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا ڈرامہ رچایا۔ بہت سے تعلیمی ادارے انگلستان کے تعلیمی اداروں کو سامنے رکھ کر بنائے گئے۔ برطانوی نظام تعلیم کی نقل ہندوستان پر تھوپنے کی کوشش کی گئی۔ انگریز مشنریوں نے مغربی علوم اور انگریزی زبان وادب کے مطالعے کو مروج کرنے کی کوشش کی۔ یہ انگریز نوآبادکاروں کی سامراجی سوچ تھی کہ ان کے زبان وادب اور تعلیمی طریقے بہترین ہیں اور ہندوستانیوں کو چاہیے کہ انھیں حرف بہ حرف اپنالیں۔ نئے نظام تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کو سرکاری ملازمتیں ملنے لگیں جس سے سامراجی نظام کو تقویت اور استحکام ملا۔ انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں ایسا نظام تعلیم رائج ہو چکا تھا جس کا مقصد انگریزی زبان کے ذریعے مغربی علوم کی اشاعت تھی۔

ہندوستان میں برطانوی استعمار کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ وہ انگریزی زبان کو "عظیم برطانیہ" کی علامت بنا کر ہندوستانیوں کے دلوں میں اپنی عظمت و برتری کا ایسا نقش بٹھانے میں کامیاب ہو جائیں گے جو مغل مسلمانوں کی تہذیبی عظمت کو مٹاڈالے گا۔ زبان کا ختم ہو جانا کسی تہذیب کے ختم ہو جانے کے مترادف ہے۔ انگریزی زبان کے انجذاب نے برصغیر کے عظیم تہذیبی اور ثقافتی ورثے کو مسخ کر دیا۔ لسانی استعماریت ایک ایسی غلامانہ صورت حال کو جنم دیتی ہے جس سے نوآبادیاتی ممالک سیاسی آزادی حاصل کرنے کے باوجود پوری طرح نجات حاصل نہیں کر سکے۔ انگریزی زبان کے حامی نوآبادیاتی باشندے شعوری اور لاشعوری طور پر نئے سامراجی نظام کی جڑیں مضبوط کر رہے ہوتے ہیں۔

سامراجی نظام میں ثقافتی اور سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے لیے زبان کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مفتوح اقوام میں آہستہ آہستہ یہ یقین پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ ان کی زبان کم تر ہے اور وہ سامراجی طاقتوں کی زبان سیکھے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ برصغیر میں انگریزی زبان کی ترویج واشاعت میں یورپی اقوام کے سیاسی مقاصد پوشیدہ تھے۔ نوآبادیاتی نظام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ختم نہیں ہوا بلکہ مابعد نوآبادیاتی عہد کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ یورپی اقوام کے پرانے سامراج نے نئی شکل اختیار کر لی ہے۔ مابعد نوآبادیاتی معاشروں میں انگریزی زبان کا روزمرہ زندگی اور ادب میں بڑھتا ہوا استعمال یورپی استعماریت کو استحکام بخش رہا ہے۔

پینی کک (Pennycook) اپنی کتاب *The Cultural Politics of English as anInternational Language* میں انگریزی زبان کے بارے میں کہتے ہیں:

"بین الاقوامی زبان کا ہر تصور مغربی سامراجیت کی اختراع ہے"[۲]

یورپی اقوام دنیا کے پسماندہ ممالک اور اپنی سابقہ نوآبادیوں کے لیے تیسری دنیا کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔اس دنیا میں مستقبل کے معماروں کو ابتدا ہی سے انگریزی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔جس کی بہترین مثال پاکستانی نظام تعلیم سے دی جاسکتی ہے جس میں انگریزی زبان ابتدائی سطح سے بی۔اے کی ڈگری کے حصول تک لازمی مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔جس کی وجہ سے ہمارے طالب علموں کی بہت سی خداداد صلاحیتیں انگریزی زبان کو سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے میں ضائع ہو جاتی ہیں۔جامعات میں معلومات کی فراہمی کا ذریعہ انگریزی زبان ہے۔ملازمت کے حصول کے لیے آنے والے اشتہارات میں جو شرائط درج ہوتی ہیں ان میں خصوصی طور پر یہ درج ہوتا ہے کہ ان درخواست گزاروں کو ترجیح دی جائے گی جو انگریزی زبان بولنے اور لکھنے میں مہارت رکھتے ہوں۔ان کڑی شرائط کی وجہ سے جن طالب علموں نے انگریزی ذریعہ تعلیم کے اداروں میں اپنی تعلیم مکمل کی ہوتی ہے وہ آسانی سے ملازمتیں حاصل کر لیتے ہیں۔اسی وجہ سے تیسری دنیا کے والدین مجبور ہوتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں بھیجیں جن میں انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ انگریزی زبان بولنے اور لکھنے میں مہارت حاصل کر لیں۔ملازمت کے حصول کے لیے انٹرویو کے سوالات بھی انگریزی زبان میں پوچھے جاتے ہیں خواہ ان کا ذریعہ تعلیم کوئی بھی زبان ہو۔ایسی نجی جامعات اور نجی اداروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے جن میں ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے۔یورپی اقوام تیسری دنیا کے معاشروں میں یہ خیال راسخ کر رہی ہیں کہ انگریزی زبان کو سیکھے بغیر وہ ترقی نہیں کر سکتیں۔

تیسری دنیا میں لسانی استعماریت یورپی اقوام کی نئی سامراجی حکمت عملی کا حصہ ہے۔اس نئے سامراجی نظام میں یورپی اقوام نے ہمارے معاشی،اقتصادی، تعلیمی، ثقافتی، مواصلاتی نظام پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔ہم اپنے ادب کو انگریز قوم کے دیے ہوئے تنقیدی نظریات کے تناظر میں جانچتے ہیں۔شعوری اور لاشعوری طور پر ان کے طرز تحریر کی نقل کرتے ہیں۔اس نئے سامراجی عہد میں تیسری دنیا کی تعلیمی، معاشی، اقتصادی اور معاشرتی پسماندگی جوں کی توں قائم ہے۔مغربی اقوام کی پرانی اور نئی نوآبادیاں ان کو سستی مزدوری اور خام مال فراہم کر رہی ہیں۔ان قوام کے پاس اپنے نظریات اور تصورات کی منتقلی کا واحد ذریعہ زبان ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تیسری دنیا کے معاشرتی اور معاشی نظام میں موجود ہیں۔

انگریزی زبان کی استعماریت کے حوالے سے رابرٹ فلپسن (Robert Phillipson) اپنی کتاب *LinguisticsImperialism* میں ان سوالات کا احاطہ کرتے ہیں کہ کیسے انگریزی زبان بین الاقوامی زبان بنتی جارہی ہے ؟وہ ان عوامل کا تجزیہ کرتے ہیں کہ کیسے انگریزی زبان نے غلبہ حاصل کیا اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟ فلپسن نے ان طریقوں کی بھی نشاندہی کی ہے کہ کیسے انگریزی زبان حکومت قائم کرتی ہے اور اس حکومت کے پیچھے کون کون سے مقاصد کارفرما ہوتے ہیں ؟انگریزی زبان کی تدریس کا پیشہ اس کی حکومت کو کیسے استحکام بخشتا ہے ؟ان سوالات کے جواب میں فلپسن کا کہنا کہ انگریزی زبان کی ترقی سامراجی طاقت کا اظہار ہے جسے پوری دنیا میں انگریزی زبان کی تدریس کے ذریعے زبردستی نافذ کیا جاتا ہے اسے لسانی استعماریت کا نام دیا جاسکتا ہے۔اس حوالے سے فلپسن کا کہنا ہے:

> "سامراجی نظریہ ایک ایسے تصوراتی ڈھانچے پر مشتمل ہے جس میں پوری دنیا میں انگریزی زبان کے غلبے اور اس کی ترقی کے لیے کوششوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ سائنس پر اجارہ داری، میڈیا پر اجارہ داری اور تعلیمی نظام پر اجارہ داری ثقافتی سامراجیت کی ہی ذیلی اقسام ہیں ۔ایسے ہی لسانی استعماریت ہے ۔لسانی استعماریت سامراجیت کی تمام صورتوں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔لہذا زبان ان صورتوں کے اظہار کا ذریعہ ہے"[۳]

فلپسن کے مطابق دو عوامل نے انگریزی زبان کی بالادستی قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے جن میں سے ایک ماہر لسانیات ہے اور دوسرا زبان بطور ذریعہ تعلیم ہے۔انگریزی زبان کی تدریس کرنے والے معلم بھی اس کی ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ لسانی استعماریت سیاسی ،معاشی اور ثقافتی سامراجیت کی تجسیمی صورت ہے۔انگریزی زبان کی ترقی سے ہی یورپی اقوام اپنی طاقت اور نظریات کو دنیا بھر میں پھیلا رہی ہیں۔[۴]

تیسری دنیا میں انگریزی زبان کے نفاذ سے بہت سے معاشی اور اقتصادی ناانصافیوں نے جنم لیا ہے۔ تیسری دنیا کے باشندوں کا استحصال ہر سطح پر ہو رہا ہے۔انگریزی بین الاقوامی رابطے کی زبان ،کاروباری زبان اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبان بن چکی ہے۔ دنیا بھر کے ادب کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا جارہا ہے۔ایسے ممالک جن کی زبان انگریزی نہیں ہے وہاں طالب علموں کی بہت سی صلاحیتیں اس کے سیکھنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔ مروجہ نظام تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اندرون ملک اور بیرون ملک صرف ان طالب علموں کو اہمیت دی جاتی ہے جو انگریزی زبان میں بہت اچھی مہارت رکھتے ہوں جس سے معاشی نظام میں عدم مساوات پروان چڑھتی ہے۔

ڈیوڈ کرسٹل (David Crystal) نے اپنی کتاب *English as a Global Language* میں ان حقائق کی نشاندہی کی ہے کہ کیسے ۱۹۵۰ء کے بعد محض پچاس برسوں میں انگریزی زبان سیاسی اور ثقافتی سانچے میں ڈھل گئی؟ ڈرامائی انداز سے بہت کم عرصے میں پوری دنیا میں پھیل گئی کیوں انگریزی زبان کو ہی یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا دنیا کی کسی اور زبان کو کیوں نہیں۔ انگریزی زبان نے اپنے پس منظر میں پوشیدہ طاقتوں کے بل بوتے پر غلبہ حاصل کیا۔ اس حوالے سے وہ لاطینی زبان کی مثال دیتے ہیں۔ رومی سلطنت میں لاطینی بین الاقوامی زبان بنی اس کی وجہ روم کے باشندے نہیں بلکہ وہ لوگ تھے جن پر ان کی حکومت تھی۔ رومی طاقت ور تھے اور جن پر ان کی حکومت تھی وہ ہر لحاظ سے ان سے کمزور تھے۔ جب روم کی فوجی طاقت کو زوال آیا تو لاطینی زبان کی اہمیت کم ہونا شروع ہو گئی مگر اس کے باوجود یہ ایک صدی تک تعلیم و تدریس کی زبان رہی۔ لسانی استعماریت اور ثقافتی اجارہ داری میں گہرا تعلق موجود ہے۔ مضبوط سامراجی بنیاد کے بغیر خواہ یہ سیاسی ہو، فوجی ہو، معاشی ہو، کوئی بھی زبان بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے ترقی نہیں کر سکتی۔ زبان کا الگ سے کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ اس کو وجود اس کو بولنے والے عطا کرتے ہیں۔ کرسٹل کے مطابق زبان میں نظریہ طاقت اور کامیابی کے عوامل فطری طور پر وقوع پذیر نہیں ہوتے بلکہ ان عوامل کو زبان بولنے والے کی تاریخ، ثقافت، نظریات اور سیاسی نظام کے تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔[۵]

موجودہ سامراجی دور میں انگریزی زبان کے نفاذ کے پیچھے کثیر الجہتی طاقتوں کے مقاصد پوشیدہ ہیں۔ زبان ثقافتی تبدیلی کا غیر معمولی ملکہ رکھتی ہے۔ ایک زبان دوسری زبان کی جگہ لے سکتی ہے اور ایک زبان ایک قوم کو شرف اقتدار سے محروم کر سکتی ہے۔ سامراجی نظام حکومت میں محکوم اقوام کا متنی سرمایہ غالب اقوام کی دسترس میں چلا جاتا ہے جس سے نئی طبقاتی اور ثقافتی شناختیں جنم لیتی ہیں۔ زبان کی تبدیلی یورپی استعماریت کی جڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔ شعوری اور لاشعوری طور پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ دوسری زبانیں معاشی اور نظریاتی قوت حاصل نہ کر سکیں۔ ان تمام راستوں کو مسدود کر دیا جاتا ہے جو دوسری زبانوں کی ترقی اور فروغ کے ہوتے ہیں۔

لسانی استعماریت کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا غلبہ ہے جس کی بنیاد دوسری زبانوں کی پسپائی اور استحصال پر قائم ہوتی ہے۔ لسانی استعماریت کا ایک مقصد اس تصور اور نظریے کو تقویت دینا بھی ہے کہ یورپی اقوام کے علوم کی تدریس ہو اور تیسری دنیا میں یہ احساس زندہ رہے کہ علم اور عظیم ادب صرف انگریزی زبان میں ہے اور صرف یورپی اقوام کے پاس ہے۔ اس کے مقابلے میں تمام ایشیائی اور افریقی زبانیں کم تر اور پسماندہ ہیں۔ لسانی استعماریت معاشرتی تقسیم کی وجہ بنتی ہے۔ اس سے مقتدرہ طبقہ اور امیر طبقہ تو اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فیض یاب ہوتا ہے

مگر غریب اور پسماندہ طبقہ اپنی شناخت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔استعمار اپنی زبان کو آفاقی قرار دیتے ہیں اور اسے محکوم باشندوں کو سیکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ناصر عباس نیر اپنی کتاب ما بعدنو آبادیات :اردو کے تناظر میں رقمطراز ہیں:

"کوئی زبان بجائے خود استعماری نہیں ہوتی اور نہ اس میں موجود علوم وادبیات کے رگ وریشے میں استعماری منشا سرایت کیے ہوتا ہے۔استعماریت زبان کی جوہری خصوصیت نہیں اس کا مخصوص سیاسی استعمال ہے ۔یہی صورت علوم وادبیات کی ہے:ان کی سیاسی استعماری تعبیرات کی جاسکتی ہیں اور ان تعبیرات کو سیاسی اور انتظامی قوت اور تعلیمی نصاب اور عمومی بحث ومباحثے کے ذریعے نافذ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں"[6]

ناصر عباس نیر کے خیال میں کسی بھی زبان میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ دوسری زبانوں کا استحصال کر سکے بلکہ کسی بھی زبان کا ادب لسانی استعماریت کے قائم ہونے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔لسانی استعماریت کے پس منظر میں مغربی اقوام کی سیاسی چالیں ہیں۔ان کی کوشش ہے کہ غریب اور پس ماندہ ممالک میں تعلیمی نصاب کے ذریعے انگریزی زبان کو نافذ کیا جائے۔

فلپسن نے انگریزی زبان بولنے والے ممالک کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے گروہ میں وہ ممالک شامل ہیں جن کی مرکزی زبان انگریزی ہے جیسے برطانیہ،امریکہ،نیوزی لینڈ،آسٹریلیا اور کینیڈا۔یہ ممالک ترقی یافتہ اور امیر ہیں۔دوسرے گروہ میں وہ ممالک شامل ہیں جن میں انگریزی علاقائی زبان ہے ان ممالک کو دو ذیلی گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اول گروہ میں وہ ممالک شامل ہیں جن میں انگریزی زبان کو بطور بین الاقوامی رابطے کی زبان کے استعمال کیا جاتا ہے اس کی مثال جاپان ہے۔دوسرے گروہ میں وہ ممالک شامل ہیں جن میں نوآدیاتی عہد میں انگریزی زبان کو زبردستی مسلط کیا گیا تھا اس کی مثال انڈیا،نائجیریا اور پاکستان سے دی جاسکتی ہے۔یہ غریب اور پس ماندہ ممالک ہیں۔[7]

پاکستان برطانیہ کی سابقہ نوآبادی ہے۔پاکستان میں بھی انگریزی زبان کی استعماریت کا دور ہے۔اس لسانی استعماریت سے ہمارا موجودہ تعلیمی نظام زوال کا شکار ہو رہا ہے۔اس کی وجہ یورپی اقوام کا نافذ کردہ وہ سامراجی نظام ہے جو ہمارے ثقافتی،سماجی،ادبی اور اقتصادی نظاموں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔اس کی واضح مثال ہمارا تعلیمی نظام ہے ۔قیام پاکستان کے بعد جتنی بھی حکومتیں آئیں سب نے ہی انگریزی زبان کو اہمیت دی۔پاکستانی حکومت انگریزی زبان کے تسلط سے مرعوب ہو کر اسے ملک کے تمام نجی اور قومی اداروں میں ذریعہ تعلیم کے طور پر نافذ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ہماری پس ماندگی کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک ہمارا آئین اور قانون انگریزی زبان میں ہے۔ملازمت کے

اشتہارات میں انگریزی زبان میں مہارت کی شرط تحریر ہوتی ہے۔انگریزی زبان کی ترویج واشاعت میں پاکستانی میڈیا بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔اس لسانی استعماریت سے ہماری شرح خواندگی شدید متاثر ہوئی ہے۔انگریزی زبان کی موجودہ حیثیت کو مستحکم کرنے میں ہمارا مقبول عام ادب بھی شامل ہے جس میں انگریزی زبان کے الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا جارہا ہے۔پاکستان کی جامعات کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی مطبوعات اردو زبان میں شائع نہیں کر رہی ہیں۔

انگریزی زبان دنیا پر راج کر رہی ہے۔انگریزی زبان کی ترویج واشاعت میں یورپی اقوام کے سیاسی اور ثقافتی مقاصد پوشیدہ ہیں۔یہ مقصد بہت واضح ہے کہ وہ آج بھی تیسری دنیا کے ممالک پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں تاکہ ان کے قدرتی وسائل کو لوٹا جاسکے۔عرب ممالک پر قبضے کا مقصد ان کے تیل کے ذخائر پر قبضہ ہے۔اس لسانی استعماریت سے ہی مغربی اقوام اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔وہ انگریزی زبان کو جدید زبان کے طور پر متعارف کرواتی ہیں اور اس جدیدیت کے چکر میں تیسری دنیا کے باشندے اپنے تہذیبی، ثقافتی اور ادبی سرمائے کو مسخ کر لیتے ہیں۔انگریزی زبان کی استعماریت کی ایک وجہ ماضی کا نوآبادیاتی نظام ہے اور دوسری وجہ یورپی اقوام کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں تیز رفتار ترقی ہے۔یورپی ممالک اپنی سیاسی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے ترقی پذیر ممالک میں تعلیمی وظائف کے اشتہار دیتے ہیں جن کا مقصد انگریزی زبان کی ترقی ہے۔وہ انگریزی زبان کی تدریس کے لیے اپنے تربیت یافتہ اساتذہ کو ترقی پذیر ممالک میں بھیجتے ہیں جس سے ان کے سامراجی عزائم کو تقویت ملتی ہے۔

تیسری دنیا کے ماہرین لسانیات اور محققین انگریزی زبان کے بڑھتے ہوئے دائرہ کار سے پریشان ہیں۔دنیا کی قومی زبانوں میں شعوری اور لاشعوری طور پر انگریزی زبان کے الفاظ شامل ہوتے جارہے ہیں۔جس سے قومی زبانوں کے ختم ہونے کا خطرہ بڑھتا جارہا ہے۔ماہرین لسانیات زبان کی اس استعماری اجارہ داری کو ناجائز سمجھتے ہیں۔کسی بھی زبان کا ختم ہو جانا تہذیب وثقافت کے ورثے کا ختم ہو جانا ہے۔اکیسویں صدی میں اس سے سب سے زیادہ خطرہ اقلیتی زبانوں کو لاحق ہے۔اقلیتی زبانوں کے ختم ہو جانے سے ان میں موجود بہت سا قیمتی ادبی سرمایہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس حوالے سے سکت ناب کنگاس(skutnabb (kangas کا کہنا ہے:

> "تمام سرکاری زبانیں قاتل زبانیں ہیں۔جب یہ زبانیں سکھائی جاتی ہیں تو مادری زبانوں میں اضافے کی بجائے ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔یہ زبانیں وسیع سطح پر اقلیتی زبانوں کو ختم کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ان سب میں سے سب سے بڑی قاتل انگریزی زبان ہے۔"[۸]

انگریزی زبان کے غلبے میں بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔مشرقی اقوام کا اشرافیہ اور حکمران طبقہ اس کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ مغربی اقوام کی لسانی اور سامراجی اجارہ داری سے مشرقی اقوام ان کی

تہذیب و ثقافت، نظریات اور علوم پر انحصار کرنے لگی ہیں۔ ایسا کرنے سے نہ صرف دنیا کی دوسری زبانیں سیکھنے سے محروم ہو جائیں گی بلکہ اپنی تہذیب و ثقافت مذہب نظریات اور سیاسی اور معاشرتی نظاموں سے لاتعلق ہو جائیں گی۔ زبان کا یہ زوال انھیں ہمیشہ تیسری دنیا میں جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دے گا۔ ادب اور میڈیا میں انگریزی ذخیرہ الفاظ کا انجذاب اس خطرے کو اور ہوا دیتا ہے۔ مغربی اقوام کی معیشت بہت مضبوط ہے، ان کے پاس طاقت ہے، جدید آلات حرب سے لیس ہیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں سب سے آگے ہیں، اپنی تہذیب و ثقافت اور مذہب کے پرچار کے لیے ساری دنیا کے میڈیا پر قابض ہیں اور مشرقی اقوام ان کی زبان سیکھنے اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہیں۔

سیاسی اور سامراجی نظام میں زبان طاقت کا بیانیہ ہوتی ہے۔ اس میں زبان کے شعوری استعمال سے دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیاست دان زبان کی مہارت سے ہی کسی حد تک الیکشن میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ وہ اپنی چرب زبانی سے ہی لوگوں کی سوچ میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ وہ زبان کے وسیلے سے ہی اپنے تجریدی تصورات کو تجسیمی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ جس طرح نوآبادیاتی نظام میں یورپی اقوام نے انگریزی زبان کے استعمال سے اپنی سیاسی اجارہ داری کو مستحکم کیا آج بھی ان کی پوری کوشش ہے کہ انگریزی زبان کے پھیلاؤ سے پوری دنیا پر اپنی حکومت قائم کریں اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ تیسری دنیا میں سوشل میڈیا پر انگریزی الفاظ کا استعمال یورپی اقوام کی سامراجی سوچ کو تقویت دے رہا ہے۔ فلپسن انگریزی زبان کے پھیلاؤ کے بارے میں کہتا ہے:

> "فلپسن بین الاقوامی مونیٹری فنڈ، برٹش کونسل اور ورلڈ بینک کی مذمت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ تیسری دنیا کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ انگریزی بولنے والے معاشرے تعلیم، معاشیات اور سیاست میں زیادہ تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔"[9]

مغربی اقوام لسانی استعماریت سے مشرقی اقوام پر دوبارہ غاصبانہ قبضے کے لیے مفروضے گھڑ رہی ہیں۔ ان میں ایک مفروضہ جدیدیت ہے جو کہ تیسری دنیا میں رینگتے ہوئے کینسر کی شکل میں داخل ہو رہا ہے۔ پسماندہ مشرقی اقوام نام نہاد جدیدیت کے اس دائرے میں داخل ہونے کے لیے انگریزی زبان کا سہارہ لے رہی ہیں۔ ان میں یہ شعور راسخ ہوتا جا رہا ہے کہ انگریزی زبان میں ترقی سے ہی وہ ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اس شعور کی وجہ مغربی اقوام کے مشرقی زبانوں کے بارے میں من گھڑت قصے ہیں۔ وہ مشرقی زبانوں کو کم تر سمجھتی تھیں اور آج کم

تر سمجھتی ہیں۔ کسی بھی زبان کے ختم ہونے سے اس کی کئی نسلوں کی تاریخ ختم ہو جاتی ہے اور یورپی اقوام ایسا ہی چاہتی ہیں کہ انگریزی زبان کے غلبے سے ان کی تاریخ ختم کر دی جائے۔

زبان کا ثقافتی تصور زبان کو محض ابلاغ کا ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ ثقافتی تصور کی روح سے زبان ایک باقاعدہ علامتی نظام ہے جس میں کسی سماج کی روح کے اسرار مضمر ہوتے ہیں۔ زبان کا علامتی نظام ہی درج ذیل سوالات کا جواب فراہم کرتا ہے کہ آخر ایک سماج ایک خاص طرح سے کیوں سوچتا ہے؟ کیوں خاص انداز میں دنیا اور کائنات کا ادراک کرتا ہے؟ کیسے خاص طریقے سے مختلف واقعات پر رد عمل ظاہر کرتا ہے؟ غلامانہ فکر کی ترویج کیسے کی جاتی ہے؟

کسی بھی ثقافتی نظام میں زبان ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ نوآبادیاتی عہد میں یورپی اقوام نے زبان کے ذریعے ہی ہندوستان کے قوانین اور ثقافت پر دسترس حاصل کی۔ ہندوستانیوں اور نوآبادکاروں کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ زبان تھی۔ ان یورپی استعماروں نے ترجمانوں کے ذریعے ہندوستانی ثقافت اور معاشرت کے بنیادی قوانین تک رسائی حاصل کی۔ اس ثقافت کا سارا علم ورنیکلر (Vernacular) زبانوں میں تھا۔ زبان کے ثقافتی تصور تسخیر کا مقصد اس بنیادی قوت تک رسائی حاصل کرنا تھا جس کے آگے ایک سماج کے افراد خود کو بے بس پاتے ہوں۔ ان کے ہاں غلامانہ فکر جنم لیتی ہو۔ زبان پر اجارہ داری سے تمام گفتاری اور تحریری مظاہر ان کی گرفت میں آ گئے۔ نوآبادیاتی باشندوں کی زبان سیکھنے سے نوآبادکار ان ثقافت کے علمبرداروں کی ذہنی اور جذباتی کائنات تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ یورپی نوآبادکاروں نے ہندوستانی زبانوں کا مطالعہ اپنی زبان کے معنی کے تحت کیا۔ انھوں نے ترجمے کے ذریعے کلاسیکل اور ورنیکلر زبانیں سیکھیں۔ جب تک یہ ثقافتی رکاوٹ موجود تھی وہ غلام قوموں کو اپنے احکامات جاری نہیں کر سکتے تھے اور ان کے قوانین اور ادب تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ زبان سیکھے بغیر وہ ہندوستان کے فکری رویوں کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ زبان کا یہ تسلط ایک کثیر الثقافتی منصوبہ تھا۔

پاکستان میں لسانی تعصب سامراجی طاقتوں کی دین ہے۔ دنیا کا ہر ملک اپنی قومی زبان کو سرکاری سطح پر اہمیت دیتا ہے۔ تعلیمی نصاب اور سارا ریکارڈ بھی اپنی مادری اور قومی زبان میں پرنٹ کرتا ہے تاکہ شہریوں کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ ہماری قومی زبان اردو اور سرکاری زبان انگریزی ہے جس سے ہماری غلامانہ سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔ پاکستان میں نجی اداروں اور بعض سرکاری اداروں میں تقریباً سارا تعلیمی نصاب انگریزی زبان میں پڑھایا جا رہا ہے۔ سرکاری سطح پر اردو زبان کی پذیرائی نہ ہونے کی وجہ سے ہماری قوم تضادات کا شکار ہے۔ ایک خاص طبقہ اردو زبان میں بات کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا اور انگریزی بولنے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ متوسط طبقے میں یہ لسانی تفریق احساس کمتری کو جنم دیتی ہے۔ وہ اس طبقے کی پیروی میں اپنی گفتگو میں انگریزی زبان کے الفاظ

استعمال کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اردو زبان میں انگریزی الفاظ کی شمولیت بڑھتی جارہی ہے۔ برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود قومی زبان سرکاری سرپرستی سے محروم ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے حکمران اور ہم خود ہی انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے رہے ہیں۔اردو میں بھی دنیا کی دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی طرح وسیع ذخیرہ الفاظ موجود ہے مگر ہماری قوم اپنی غلامانہ سوچ کو ختم نہیں کر سکی۔اردو زبان دنیا کی مختلف جامعات میں پڑھائی جارہی ہے جن میں چین، ترکی جرمنی، بنگلہ دیش اور بھارت وغیرہ شامل ہیں۔

تیسری دنیا میں یہ شعور پیدا ہونے کی ضرورت ہے کہ کیسے ان کی زبان ختم ہونے سے ان کی شناخت ختم ہو جائے گی۔اس کی واضح مثال سینیگال ہے۔ابراہیمہ ڈی آلو (Ibrahima Diallo) کا تعلق سینیگال سے ہے۔یہ ماہر لسانیات ہیں۔ان کی کتاب *The Politics of National Languages in Postcolonial Senegal* ہے جس میں انھوں نے سینیگال کی قومی اور سرکاری زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔سینیگال فرانس کی سابقہ نوآبادی تھا اور یہ ۱۹۶۰ء میں فرانسیسی سامراج سے آزاد ہوا۔آزادی حاصل کرنے کے بعد جو سینیگال کا پہلا صدر بنا اس نے پوری کوشش کی کہ فرانسیسی تہذیب و ثقافت اور فرانسیسی زبان کا غلبہ قائم و دائم رہے۔فرانسیسی سامراجی دور میں لوگوں میں مقامی زبانوں کی اہمیت کے بارے میں شعور پیدا ہونا شروع ہو چکا تھا۔صدر کے سیاسی مخالفین کے ساتھ ساتھ اساتذہ، طلبہ کی تنظیموں، کارکنان اور مختلف فلاحی تنظیموں نے صدر کے ان اقدامات کی شدید مخالفت کی جن کی روشنی میں زبان اور تعلیمی ترقی کے منصوبے بنائے جارہے تھے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سینیگال میں قومی زبانوں کے نفاذ کا مسئلہ بہت بڑا سیاسی مسئلہ بن گیا۔

یہ کتاب ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں موجودہ سینیگال میں قومی زبان کے نفاذ کے لیے بنائے جانے والے منصوبوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔اس مسئلے کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ مابعد نوآبادیاتی عہد میں زبان کے بارے میں تشکیل پانے والے منصوبوں پر سامراجی قوتیں کیسے اثرانداز ہو رہی ہیں۔ڈی آلو کے خیال میں سینیگال کی مقامی زبانوں کے نفاذ کے لیے واضح اور جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔اس حوالے سے تعلیمی نظام میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ان کے خیال میں زبان کا تحفظ ثقافت اور شناخت کا تحفظ ہے۔اب سینیگال میں انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کی ضرورت نہیں۔معیشت کی ترقی کے لیے مقامی زبانوں کی ترقی بہت ضروری ہے۔انھوں نے اس کتاب میں لسانی استعماریت کی وضاحت کے لیے سیاسی اور ثقافتی حقائق کا تجزیہ بھی کیا ہے۔[۱۰]

اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزی زبان کا بیج نوآبادیاتی عہد میں بویا گیا۔نوآبادیاتی نظام ختم ہونے کے بعد نئے سامراجی نظام کی بھاگ دوڑ امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔امریکہ تعلیم، اقتصادیات، دفاعی ٹیکنالوجی اور بین الاقوامی

تجارت پر چھایا ہوا ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں یہ شعور راسخ کیا جارہا ہے کہ انگریزی زبان سیکھنے میں ہی ان کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ تیسری دنیا کے لوگ نفسیاتی طور پر ابھی بھی سامراجی قوموں کے غلام ہیں۔ اسی غلامی کی وجہ سے ان کی مقامی زبانوں اور تہذیب و ثقافت کو خطرہ لاحق ہے۔ یورپی اقوام کی تعلیمی میدان میں ترقی کی وجہ سے زیادہ تر تدریسی مواد انگریزی زبان میں ہے۔ اس وجہ سے طلبہ کو انگریزی زبان میں مو ویزد کھائی جاتی ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس لسانی استعماریت سے مقامی زبانوں کا لوک ادب ختم ہوتا جارہا ہے۔ لوک ادب کسی بھی تہذیب و ثقافت کی خوبصورت اور فطری زندگی کا عکس ہوتا ہے۔

برٹش کونسل رپورٹ ۲۰۱۰ء ڈان اخبار میں شائع ہوئی۔ برٹش کونسل کی اس رپورٹ میں پاکستانی نظام تعلیم کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور اس میں تبدیلی کے لیے تجاویز دی گئی ہیں۔ پاکستانی معاشرہ کثیر السانی ہے جس کا عکس اس کے تعلیمی اداروں میں نظر آتا ہے۔ طلبہ کو ابتدائی سطح پر اسی زبان میں تعلیم دینی چاہیے جس وہ اچھی طرح واقف ہو۔ تعلیم کے ابتدائی سالوں میں پاکستانی بچوں کو اردو بطور ثانوی زبان سیکھنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ برٹش کونسل کی اس رپورٹ میں اردو سمیت سات علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کی سفارش کی گئی ہے۔[11]

برٹش کونسل کی اس رپورٹ کے شائع ہونے کے باوجود ہمارے تعلیمی نظام پر لسانی استعماریت کا راج ہے ۔ پاکستان میں اعلیٰ تعلیم اور سول سروسز کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے انگریزی زبان میں مہارت بہت ضروری ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ سکولوں میں ثانوی سطح پر انگریزی زبان سکھائی جائے۔

لسانی استعماریت سے تیسری دنیا کے معاشروں اور زبانوں پر بہت سے منفی اثرات مرتب ہوئے۔

۱۔ ان کی ثقافتی شناخت ختم ہو رہی ہے۔

۲۔ انگریزی زبان کا پھیلاؤ معاشرتی درجہ بندی کی وجہ بن رہا ہے۔

۳۔ لسانی تعصبات جنم لے رہے ہیں۔

۴۔ مقامی زبانوں میں لوک ادب ختم ہو رہا ہے۔

۵۔ اقلیتی زبانوں کو خطرہ درپیش ہے۔

۶۔ لسانی استعماریت سے دنیا کی تمام زبانیں برتر زبان اور کم تر زبان کے درجات میں تقسیم ہو گئی ہیں۔

۷۔ طالب علموں کی بہت سی صلاحیتیں ترجمہ کے چکر میں ضائع ہو جاتی ہیں۔

۸۔ وہ اپنی زبانوں اور معاشرتی نظام کو کم تر سمجھنے لگتے ہیں۔

۹۔ ملازمت میں حصول میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

غلام ہندوستان کی تاریخ کے مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی زبان کی ترویج و ترقی کے پیچھے یورپی اقوام کے کیا مقاصد پوشیدہ تھے۔ سامراجی طاقتوں نے ہندوستان میں اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے علم کو طاقت کا ذریعہ بنایا اور اسے سیاسی مقاصد حاصل کیے۔ انھوں یہاں کی زبانوں، تاریخ، تہذیب و ثقافت اور ادب کا علم حاصل کیا تاکہ وہ سارے علم کو سیاسی طاقت بڑھانے کے لیے استعمال کر سکیں اور وہ اپنے ان مقاصد میں خاطر خواہ کامیاب بھی ہوئے۔ اردو ادب پر نوآبادیاتی نظام کے اثرات مجموعی طور پر تین قسم کے تھے۔ کچھ ادیبوں نے نوآبادکاروں اور ان کی تہذیب کا پر شکوہ تصور پیش کیا۔ کچھ ادیبوں نے یورپی تہذیب کے خلاف مزاحمتی رویے اپنائے جبکہ بعض نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ انھوں نے ہندوستانی اور یورپی تہذیب کے امتزاج کا تصور پیش کیا۔ موجودہ عہد میں آج بھی ہمیں ادب میں ایسے ہی رویے ملتے ہیں۔ اردو زبان ہماری قومی شناخت کا درجہ رکھتی ہے لیکن سامراجی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہمارے حکمرانوں کی غفلت کی وجہ سے اسے حقیقی معنوں میں قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا۔

یورپی اقوام ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک پر قابض رہیں مگر انگریزوں نے ہمیں ذہنی غلامی کی ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے کہ ہم ان کی زبان اور تہذیب و ثقافت سے پہلے سے بھی زیادہ مرعوب ہوتے جا رہے ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک اس ذہنی غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جلد ہی اپنی قومی زبان کو اپنے دفاتر میں رائج کر دیا مگر پاکستانی قوم احساس کمتری کے ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی ہم اپنی قومی زبان کو مسلم حیثیت دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج بھی ہم اردو زبان کی جگہ انگریزی زبان کو بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس احساس کمتری کی واضح مثال پاکستان کے سکولوں، کالجوں اور تمام تعلیم گاہوں میں اردو میڈیم سے تعلیم یافتہ طلبہ کا مذاق بنایا جاتا ہے۔ اردو اور باقی پاکستانی زبانیں جاننے کے باوجود اگر کوئی انگریزی زبان نہیں جانتا تو لسانی استعمار کے اس دور میں وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ اس حوالے سے احمد ندیم قاسمی کا کہنا ہے:

> "انگریزی عالمی زبان ہے۔ کرہ ارض آہستہ آہستہ سکڑ اور سمٹ رہا ہے۔ ہمیں یہ عالمی زبان ضرور سیکھنی چاہیے مگر کرہ ارض پر ایک نظر ڈالنے ہی سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ انگریزی کی عالمگیری تسلیم کرنے کے باوجود جرمنوں، فرانسیسیوں، اطالویوں، مصریوں، شامیوں، روسیوں، چینیوں، جاپانیوں، ملائشیوں، انڈونیشیوں۔۔۔۔ غرض سب کی اپنی قومی زبانیں ہیں، وہ یہی زبان بولتے اور انہی زبانوں میں لکھتے ہیں اور ترقی یافتگی کے معاملے میں ہم سب سے آگے ہیں مگر ہم ہیں کہ اپنی قومی زبان کو رابطے کی بھی زبان تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ کسی بھی آزاد قوم کے لیے یہ کتنا بڑا سانحہ اور کتنا عظیم المیہ ہے"[۱۲]

لسانی استعماریت کو پروان چڑھانے میں ہماری بیوروکریسی کا بھی بہت عمل دخل ہے اس کی وجہ انگریز استعمار ہیں کیونکہ مغرب زدہ تعلیمی اداروں نے ایسے تربیت یافت گان پیدا کیے ہیں جو اردو زبان کو بیروں اور چوکیداروں کی زبان سمجھتے ہیں۔ جب بھی اردو کو قومی اور سرکاری زبان بنانے کی تحریک ابھرتی ہے تو یہ بیوروکریٹ سامراجی ذہنیت کی وجہ سے اس تحریک کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اس تمام طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم غلامی کی زندگی پر راضی ہیں۔

نئے سامراجی دور میں تیسری دنیا کی غلامی کی اصل وجوہات یہ ہیں کہ ان میں یہ احساس پیدا کیا جارہا ہے کہ ان کا زبان وادب، تہذیب وثقافت اور تمدن فرسودہ دقیانوسی معاشرے کے مظاہر ہیں۔ یہ نئے عہد کے غلام مسلسل اس نفسیاتی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں اور شعوری اور لاشعوری طور پر کوشش کرتے رہتے ہیں کہ زبان، لین دین، تحریر و تقریر، معاملات وتعلقات، لباس اور خوراک کے معاملے میں اپنے آپ کو اپنے آقاؤں کے رنگ میں ڈھال لیں۔ مگر افسوس کہ اس سارے انجذاب اور تقلید کے باوجود ان کے یہ نئے سامراجی آقا انھیں ایک محکوم، گھٹیا اور غیر مہذب قوم کا فرد سمجھتے ہیں۔ آقا اپنی نسلی اور تہذیبی برتری میں محکوم قوم کو کسی بھی صورت میں شراکت کا حق نہیں دیتے البتہ ان کو کچھ مراعات عطا کر دی جاتی ہیں تاکہ وہ غالب قوم کے دست وبازو بن کر اس کے استعماری اقتدار میں طوالت کا وسیلہ بنے رہیں۔

لسانی استعماریت کا یہ حال ہے کہ ہم اپنے کاروبار اور پیشوں کو فرنگی زبان کا لبادہ اوڑھنے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی واضح مثال بلیغ انگریزی میں دکانوں کے ماتھوں پر آویزاں بورڈ ہیں۔ کسی بھی نائی یا حجام کا بورڈ دکھائی نہیں دے گا بلکہ ہر جگہ ہیر ڈریسر، باربر زاور بیوٹی پالر کے بورڈ آویزاں دکھائی دیں گے۔ درزی کی جگہ ٹیلر اور دھوبی کی جگہ ڈرائی کلینرز کے بورڈ نظر آئیں گے۔ کپڑے کی دکان کی جگہ کلاتھ مرچنٹس کی انگریزی اصطلاح استعمال ہونے لگی ہے۔ ہمارے ہاں انگریزی بول لینے کو ہی علم کی معراج سمجھا جانے لگا ہے۔ ایک جاہل اور عالم فاضل کے درمیان حد فاصل بھی انگریزی زبان رہ گئی ہے۔ اگر ایم۔اے کرنے کے بعد بھی انگریزی زبان میں قدرت نہیں تو طالب علم کو پڑھا لکھا جاہل شمار کیا جاتا ہے۔ ہمارے ماہرین تعلیم انگریزی اداروں کے نام پر نجی تعلیمی اداروں کے نام رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی مثالیں بیکن ہاؤس کیمبرج، آکسفرڈ، پینگوئین اور گرامر وغیرہ ہیں۔ ہماری قوم انگلش میڈیم کے علاوہ کسی بھی سکول کو معیاری تعلیمی ادارہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ اب تو سکولوں میں آکسفرڈ سے کم کسی نصاب کے ذریعے تحصیل علم کو مشکوک خیال کیا جانے لگا ہے۔ ریڈیو چینلز پر عجیب وغریب اردو زبان سننے کو ملتی ہے جس کا کم وبیش ہر

دوسرا جملہ چند ایک انگریزی الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر انگریزی الفاظ کو اردو تراکیب میں بیان کرنے کے بعد مسلسل انگریزی میں بولنا اب علمی مکالمے کی پہچان بن چکا ہے۔

ہدی کمال اپنے تحقیقی مقالے "Linguistic and Reshaping the Word's New Identity Imperialism" میں لسانی استعماریت کے حوالے سے مختلف سوالات اٹھائے ہیں۔اس کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان کو جدید عہد کی Lingua Franca اور سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان تسلیم کیا جاتا ہے۔انگریزی نے بطور استعماری زبان کے ادنی یا کمتر زبانوں کے زوال سے جنم لیا ہے۔انگریزی ٹیکنالوجی کی زبان بن چکی ہے۔ جس کے سیاسیات، معاشیات، معاشرت کے ساتھ ساتھ دنیا کی ثقافتی شناخت پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ لسانی استعماریت کے حوالے سے بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا حقیقت میں ہم لسانی استعماریت کے دور میں زندہ ہیں؟ کیا یہ حقیقت ہے یا محض فریب نظر ہے؟ کیا انگریزی زبان دنیا بھر کی دوسری زبانوں کے لیے خطرہ ہے؟ کیا انگریزی زبان کے پھیلاؤ سے مراد مغربی تہذیب و ثقافت کا پھیلاؤ ہے؟ کیا انگریزی زبان کا غلبہ ثقافتی اور سماجی عدم مساوات کو جنم دیتا ہے؟ کیا لسانی استعماریت ناقابل مزاحمت ہے؟ کیا یہ کوئی سازش ہے؟ اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

غالب زبانیں بنیادی طور پر عسکری طاقتوں کی مدد سے پھیلتی ہیں لیکن عصر حاضر میں غالب زبانوں کے پھیلاؤ کی وجہ معاشی نظام ہے جو ان زبانوں کو طاقت ور بناتا ہے۔ زبان کا پھیلاؤ ہی ثقافتوں کے پھیلاؤ کا سبب بنتا ہے۔انگریزی بین الاقوامی سطح پر رابطے، تعلیم اور کاروبار کی زبان بن چکی ہے جس سے ترقی پذیر ممالک میں ادنی زبانوں کو ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ لسانی استعماریت ایک خاموش سازش ہے۔ جب ہم دنیا کے نقشے پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ عرب اور مسلم ممالک جن میں انگریزی ثانوی زبان ہے ان کی جامعات اور تعلیمی ادارے انگریزی زبان کے پھیلاؤ کی وجہ بن رہے ہیں۔انگریزی زبان کی اس ترقی سے زیادہ خطرہ مقامی زبانوں اور ثقافتوں کو لاحق ہے۔انگریزی زبان میں مطالعے سے ہماری نوجوان نسل مغربی ثقافت کی دلدادہ ہوتی جا رہی ہے۔اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ لسانی استعماریت معاشرتی اور ثقافتی لحاظ سے دنیا کو نئی شکل دے رہی ہے۔[۱۳]

یہ حقیقت ہے کہ انگریزی بین الاقوامی زبان بن چکی ہے۔اس کے دنیا کی ہر زبان پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ہم لسانی استعماریت کے دور میں سانس لے رہے ہیں جہاں انگریزی زبان دوسری زبانوں کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ یہ انگریز قوم کی حکمت عملی ہے کہ اپنی زبان کے پھیلاؤ سے اپنی تہذیب و ثقافت کو رواج دیں۔انگریزی زبان کے پھیلاؤ سے معاشرے میں لسانی اور طبقاتی تضادات جنم لے رہے ہیں۔ لسانی استعماریت کی

مزاحمت اسی صورت میں ممکن ہے جب ترقی پذیر ممالک اپنی قومی زبانوں کو اہمیت دیں اور انگریزی زبان کے استعمال کی حوصلہ شکنی کریں۔ لسانی استعماریت انگریز قوم کی سازش ہے کہ دوبارہ تیسری دنیا کے ممالک پر اپنا راج قائم کر سکیں۔ دنیا میں کسی بھی زبان کے پھیلاؤ کے پیچھے کوئی نہ کوئی عسکری طاقت ہوتی ہے۔

لسانی استعمار کے اس جدید دور میں پاکستان اور دیگر ممالک میں انگریزی الفاظ کا غلط استعمال کیا جا رہا ہے۔ انگریزوں کی آمد اور برطانوی راج سے برصغیر کی زبانوں میں لسانی عمل دخل شروع ہوا۔ انگریزی زبان کے الفاظ اور اصطلاحات شعوری اور لاشعوری طور پر بغیر کسی لسانی اصول کے اردو زبان میں شامل ہو رہی ہیں۔ اردو زبان میں جذب ہونے والے بیشتر انگریزی الفاظ اپنے سیاق وسباق سے ماورا بے محل زبان زد خاص وعام ہوتے جا رہے ہیں۔ اس بات کا احساس شاید بولنے والے کو نہیں ہوتا۔ جدید ذرائع ابلاغ کی وجہ سے لسانی نفوذ کا عمل تیز تر ہو گیا ہے جس کے نتیجے میں ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات اور ادب میں کھلم کھلا انگریزی الفاظ کو کبھی اردو رسم الخط میں تو کبھی انگریزی حروف تہجی میں بولا اور لکھا جانے لگا ہے۔ اگر انگریزی الفاظ کا نفوذ کسی طے شدہ طریقہ کار کے مطابق ہو تو اردو زبان کسی بھی نقصان کے اندیشے سے محفوظ ہو جائے۔

ایسے الفاظ کی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے پاکستان میں لیڈی کا لفظ عام طور پر عورت کے لیے استعمال ہونے لگا ہے جبکہ لیڈی کا مطلب معزز خاتون ہے اور یہ ایک برطانوی خطاب بھی ہے۔ اسی طرح انگریزی زبان کا ایک لفظ ڈیپارٹمنٹل سٹور ہے جسے پاکستان میں کسی بھی دکان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا مطلب کسی ڈیپارٹمنٹ یا محکمے کا ایسا اسٹور ہے جو اس ڈیپارٹمنٹ کے ملازمین کے لیے قائم کیا گیا ہو اور جہاں سے صرف اس محکمے کے لوگ ہی چیزیں حاصل کر سکتے ہوں مثلاً پولیس یا فوج کا ڈیپارٹمنٹ اسٹور۔ اس طرح کے بہت سے الفاظ کی مثالیں موجود ہیں۔ اردو کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے اور اس میں وسیع ذخیرہ الفاظ موجود ہے۔ پھر بھی اردو زبان میں انگریزی زبان کا بے محل استعمال سمجھ سے بالاتر ہے۔ اردو زبان کے حوالے سے انور شاہد کا کہنا ہے:

"بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زائد افراد اردو بول اور سمجھ سکتے ہیں"[۱۴]

لسانی استعماریت ایک زبان کی حاکمیت نہیں بلکہ یہ آمریت کی وہ شکل ہے جس کی وجہ سے لسانی تنوع ختم ہوتا جا رہا ہے۔ عالمگیریت کے چکر میں بہت سی زبانیں صفحہ ہستی سے مٹتی جا رہی ہیں۔ کسی بھی زبان کا ختم ہو جانا تاریخ کے ایک عہد کی گمشدگی کے مترادف ہے۔ عالمگیریت کے تناظر میں انگریزی زبان عالمی زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ انگریزوں نے ماضی میں اپنی نوآبادیوں میں قاتل زبان کا کردار بھی ادا کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ برصغیر میں انگریزی کا کردار قاتل زبان کا تو نہیں رہا مگر لسانی استعماریت کا ضرور رہا۔ نوآبادیاتی عہد ختم ہونے کے باوجود انگریزی

زبان علم ،اقتدار کی زبان اور سماجی مرتبے کی زبان بنتی جارہی ہے۔عالمگیریت کی وجہ سے مابعد نوآبادیاتی عہد میں انگریزی کے کردار میں ایک نئی جہت پیدا ہوگئی ہے۔لسانی استعماریت کا نشانہ بننے کے باوجود کسی بھی قوم کے تمام باشندے انگریزی زبان نہیں پڑھ سکتے۔یہ صرف اس کا اشرافیہ ہی پڑھ سکتا ہے۔لسانی استعماریت سے نجات حاصل کرنے کا ایک حل یہ بھی ہے کہ انگریزی زبان میں تخلیق ہونے والا سارا علم اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔جب بہت سے روشن خیال ادیب انگریزی کا اپنا ذریعہ اظہار اختیار کرتے ہیں جس وجہ سے انگریزی کا گلوبل کردار مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتا جارہا ہے۔

ناصر عباس اپنے ایک تجزیے "عالمگیریت ،انگریزی کا نیا عالمی کردار اور اردو "میں لکھتے ہیں کہ عالمگیریت اپنے جواز ،استحکام ، تشہیر اور کرہ ارض کے کونے کونے تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ایک عالمی زبان کو ناگزیر سمجھتی ہے ۔اس مقصد کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیا کی کوئی سات ہزار کے قریب زبانیں ہیں۔گلوبلائزیشن ان سب زبانوں میں خود کو منتقل کرنے کی مشقت نہیں اٹھانا چاہتی۔چنانچہ وہ ایک عالمی زبان کو ایک آئیڈیالوجی کے طور پر پیش کرتی ہے جس کا نتیجہ لسانی یکسانیت ہے۔اس سے ایک ہی زبان کی حاکمیت اور آمریت قائم ہورہی ہے۔اس سے دوسری زبانیں مرنے لگی ہیں۔اس صدی کے خاتمے تک دنیا کی سات ہزار میں سے پانچ ہزار زبانوں کے مرجانے کی پیش گوئی کی جارہی ہے۔گلوبلائزیشن کو اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں کہ ایک زبان کے ختم ہونے سے ایک کلچر ختم ہوجاتا ہے۔زبان کا خاتمہ ایک خاص تصور حیات اور تصور کائنات کا خاتمہ ہے۔[۱۵]

قیام پاکستان کے بعد اتنے سال گزرنے کے باوجود انگریزی اپنی برتر اور حکمران زبان کی حیثیت سے پاکستان میں بدستور رائج ہے۔شعوری سطح پر انگریزی سے مغلوبیت کا عہد ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے نئی شکل اختیار کرلی ہے۔اس حوالے سے رام بابو سکسینہ اپنی کتاب تاریخ ادب اردو میں انگریزی کے اثرات کے بعد رائے دیتے ہیں کہ اردو میں انگریزی الفاظ بکثرت داخل کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔اسی طرح وہ انگریزی الفاظ جو اردو میں داخل اور مستحکم ہوگئے ہیں، خارج کرنا بھی اندیشے سے خالی نہیں۔[۱۶]

ابھی بھی یورپی اقوام کی پوری کوشش ہے کہ پسماندہ ممالک کے باشندے زیادہ سے زیادہ جاہل ہی رہیں کیونکہ تعلیم میں ترقی ان کی نئی سامراجی حکمت عملی کے لیے خطرے کا باعث ہوگی۔دراصل یورپی اقوام اس بات کو اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ کیسے زبان کے ذریعے دنیا پر اپنے اقتدار اور سامراجیت کو قائم رکھنا ہے۔اسی لیے وہ سابقہ نوآبادیوں کے تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان کو پھیلانے میں کوشاں ہیں۔انہی اداروں کے قیام سے ایسی صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ جس طالب علم کو انگریزی نہیں آتی اس پر تعلیم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔انگریزی کو

بطور مضمون اور زبان پڑھایا جانا تو ضروری ہو سکتا ہے لیکن ذریعہ تعلیم اردو ہونا چاہیے۔ذریعہ تعلیم انگریزی ہونے کی وجہ سے ہمارے طالب علموں کی بہت سی خداداد صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں۔انگریزی الفاظ اس قدر تیزی سے ہماری روزمرہ گفتگو کو حصہ بنتے جارہے ہیں کہ ان کے اردو متبادل ذہنوں سے محو ہوتے جارہے ہیں۔ایسے بے شمار الفاظ موجود ہیں جو روزمرہ بول چال میں بے جا طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ان الفاظ کی فہرست مقتدرہ قومی زبان پاکستان کے مجلہ "اخبار اردو" کے شمارہ نمبر ۱۹۸۶ء میں موجود ہے۔اس فہرست میں سے کچھ الفاظ درج ذیل ہیں۔۱۷

حادثہ، ناگہانی واقعہ، واردات	Accident
خطاب کرنا، پتہ	Address
داخلہ، شمولیت	Admission
معاہدہ، سمجھوتہ، قانونی کارنامہ	Agreement
طیارہ، ہوائی جہاز	Aeroplane
ٹوکری	Basket
بستر، پلنگ	Bed
خون	Blood
جسم	Body
کاروبار	Business

لسانی استعماریت کے اس عہد میں تراجم بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ترجمہ ہی وہ فن ہے جس کے ذریعے سے ایک قوم دوسری قوم کے ذخیرہ علم و ادب سے آشنا ہوتی ہے۔ترجمے کی روایت اردو ادب میں مغرب سے آئی۔انگریزوں کی آمد کے بعد انگریزی زبان سے مقامی زبانوں میں ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا۔جب فورٹ ولیم کالج کا قیام ۱۸۰۰ء میں ہوا تو اس کے ساتھ ہی تراجم کے منظم سلسلے شروع ہوئے۔اس کالج میں زیادہ تر علوم مفیدہ کو اپنے مقصد کا حامل سمجھا اور انہی کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔کہانی اور شاعری جن کا تعلق خالص ادب سے ہے ان پر بہت کم توجہ دی گئی۔اردو اپنے اظہار میں ایک مکمل زبان ہے اور دیگر زبانوں کے تراجم اس میں سما سکتے ہیں۔

پاکستان میں انگریزی دان طبقہ اردو زبان کی کم مائیگی کا راگ الاپتا رہتا ہے۔انگریز اپنی زبان کے پھیلاؤ سے اپنا کلچر دنیا بھر میں مسلط کر رہے ہیں۔اردو زبان میں نئے الفاظ تلاش کیے جائیں۔ہر نئے آنے والے لفظ کو ہم معصومانہ انداز سے اردو کا حصہ بنا لیتے ہیں۔نئے تصورات ہمیشہ اپنے ساتھ نئے الفاظ بھی لاتے ہیں۔ضرورت صرف اپنی قومی

زبان کی اہمیت تسلیم کرنے کی ہے۔اردو زبان میں سائنسی اور علمی اظہار کی وسعت موجود ہے۔انگریزی زبان میں سائنسی مضامین پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ مقامی زبانوں کو ختم کر دیا جائے۔دنیا کی تمام بڑی زبانوں کا سائنسی لٹریچر منظر عام پر آتے ہی انگریزی زبان میں ترجمہ ہو جاتا ہے اور ہمارے ہاں انگریزی زبان میں ہی سائنسی مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔اردو کو علمی اور سائنسی زبان بنانے کو طریقہ دنیا بھر کے علم کی تراجم کے ذریعے اردو میں منتقلی ہے۔اس حوالے سے شہباز حسین اپنے ایک مضمون "ترجمہ کی اہمیت" میں لکھتے ہیں کہ اردو میں اچھے ترجموں کی کمی رہی ہے خصوصاً علمی اور سائنسی موضوعات کے اچھے ترجمے کم یاب ہیں۔اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم کبھی نہیں رہی۔[۱۸]

براج بہاری کچرو(Braj Bihari Kachru)ہندوستانی ماہر لسانیات تھے۔آپ ۱۵ مئی ۱۹۳۱ء میں سری نگر میں پیدا ہوئے۔درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ان کا کہنا ہے کہ ساری دنیا میں انگریزی زبان کا پھیلاؤ لسانی استعماریت کی ہی ایک شکل ہے۔انگریزی زبان دوسری زبانوں کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ بنتی جارہی ہے ۔کچرو کی لسانی خدمات ناقابل فراموش ہیں ۔انھوں نے لسانیات پر متعدد کتب تخلیق کیں جن میں سے *Language in South Asia* میں کچرو کا کہنا ہے کہ جنوبی ایشیا زبان کے اعتبار سے امیر خطہ ہے اس کا ثبوت اس میں سینکڑوں زبانوں کا استعمال ہے۔زبان کے چاروں خاندانوں کا تعلق اسی خطہ سرزمین سے ہے۔زبان کے یہ چاروں خاندان نسل، پیشے، مذہب اور علاقائی تفاوت کو پیش کرتے ہیں۔اس کتاب میں براعظم ایشیا میں زبان کو لسانی، تاریخی اور معاشرتی تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔جنوبی ایشیا میں لسانیات کے حوالے سے مختلف ماہرین لسانیات کے تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔ان ماہرین لسانیات زبان کا تاریخی اور ثقافتی تناظر میں جائزہ لیا ہے۔اس میں زبان کے حوالے سے مختلف موضوعات پر بحث بھی ملتی ہے جن میں زبان کی تشکیل، زبان میں جدت اور دیگر نظاموں میں اس کی موجودگی کا عمل شامل ہے۔

کچرو کی کتاب *The World Englishes* مختلف تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔یہ کتاب ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں انگریزی زبان کے حوالے سے تنقیدی، نظریاتی اور تعلیمی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔کچرو نے اس کتاب میں The Three Circle Model of World Englishes کا نظریہ پیش کیا۔اس ماڈل میں کچرو نے انگریزی زبان کے پھیلاؤ کو تین ہم مرکز دائروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔یہ تین دائرے انگریزی زبان کی ترویج، اس کے حصول کا طریقہ کار اور دوسرے ممالک میں اس کے فعال دائرہ کار پر تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ان دائروں میں انگریزی زبان کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ انگریزی بطور مقامی زبان

۲۔ انگریزی بطور ثانوی زبان

۳۔ انگریزی بطور غیر ملکی زبان

پہلے دائرے میں وہ ممالک شامل ہیں جن میں انگریزی زبان بطور مقامی زبان کے رائج ہے۔ان ممالک میں آسٹریلیا، کینیڈا، نیوزی لینڈ، برطانیہ اور امریکہ شامل ہیں۔دوسرے دائرے میں وہ ممالک شامل ہیں جن میں انگریزی دفتری زبان تو ہے مگر سرکاری زبان نہیں ہے۔یہ ممالک امریکہ اور برطانیہ کی سابقہ نوآبادیاں ہیں۔ان ممالک میں نائیجیریا، انڈیا، ملائشیا، پاکستان اور فلپائن کی مثال دی جاسکتی ہے۔ان ممالک میں انگریزی ثانوی زبان کا درجہ رکھتی ہے ۔تیسرے دائرے میں وہ ممالک شامل ہیں جن میں روز مرہ زندگی میں انگریزی زبان کا استعمال زیادہ نہیں ہے۔ان ممالک میں صرف انگریزی سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔اس کی مثالیں چین، انڈونشیا، جاپان اور متحدہ عرب امارات کے ممالک شامل ہیں۔

کچرو نے انگریزی لفظ English کی جمع Englishes استعمال کی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریزی زبان محض کسی ایک خطہ سرزمین کی زبان نہیں بلکہ یہ بہت سے ممالک میں مختلف لب و لہجے کے ساتھ بولی جاتی ہے۔اب انگریزی زبان مختلف ثقافتوں کی پہچان بن چکی ہے۔انتظامی اور سیاسی اجارہ داری حاصل کرنے کے لیے یورپی استعماروں نے اپنی نوآبادیوں میں انگریزی زبان مروج کی۔کچرو کا یہ ماڈل اس وجہ سے بھی اہم ہے کیونکہ اس میں ان ممالک کا کردار بیان کیا گیا ہے جو لسانی استعماریت کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔اس کے لیے کچرو نے چین کی مثال پیش کی ہے۔چین میں انگریزی زبان کے پھیلاؤ کی تین سطحیں ہیں۔انگریزی زبان چین میں ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے نشوونما پا رہی ہے جس وجہ سے چین میں انگریزی زبان سیکھنے والوں کی تعداد پہلے دائرے میں موجود ممالک سے زیادہ ہو چکی ہے اور چین میں بہت سے سکول اور جامعات کا ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے۔انگریزی زبان چونکہ بین الاقوامی زبان ہے اور چین بین الاقوامی تجارت میں بہت تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ چین میں انگریزی زبان کاروبار اور تجارت کی زبان بنتی جا رہی ہے۔ایشیا سے تعلق رکھنے والے کاروباری افراد چین کے کاروباری افراد سے گفتگو اور معاملات طے کرنے کے لیے انگریزی زبان کا ستعمال کرتے ہیں۔جس تیسری سطح پر انگریزی زبان پھیل رہی ہے وہ ٹیکنالوجی کا بڑھتا ہوا استعمال ہے۔۱۹

انگریزی زبان کے حوالے سے کچرو کی ایک اہم کتاب *The Other Tongue: English across Cultures* ہے اس کتاب میں کچرو کا انگریزی زبان کا گہرہ مشاہدہ ملتا ہے۔یہ کتاب انگریزی زبان پر

بہترین مضامین کا مجموعہ ہے جن میں انگریزی زبان میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ان ممالک میں بھی انگریزی زبان تیزی سے پھیل رہی ہے جن میں یہ سرکاری زبان نہیں ہے۔یہ بات دلچسپی کی حامل ہے کہ جب کوئی مقامی باشندہ مروجہ زبان سے انحراف کرتا ہے تو اسے بولی یا تخلیق کا نام دے لیکن جب وہ اپنی زبان استعمال کر تا ہے تو اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔زبان کا مقصد سیاسی اجارہ داری حاصل کرنا ہے۔

راوندر گرگیش (Ravinder Gargesh) کچرو کی مرتب کردہ کتاب *The Handbook of WorldEnglishes* میں اپنے مضمون South Asian Englishes میں لکھتے ہیں کہ جنوبی ایشیا میں زبان کے حوالے سے جو حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے اس میں انگریزی زبان کو خاص اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ زندگی کے اہم شعبوں میں انگریزی زبان کا بہت زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔شاید یو۔ایس۔اے اور یو۔کے کی نسبت جنوبی ایشیا میں انگریزی زبان بولنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔انڈیا میں انگریزی زبان بولنے والوں کی تعداد اسی خطے میں واقع پانچ ممالک سے زیادہ ہے ان ممالک میں بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال، پاکستان اور بنگلہ دیش شامل ہیں۔ان تمام ممالک میں انگریزی زبان کو طاقت حاصل کرنے والی زبان کے ساتھ ساتھ معاشی اور سماجی ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔انگریزی مختلف خطوں میں رابطے کی زبان کے طور پر استعمال کی جاتی ہے اس کے علاوہ یہ جنوب ایشائی ممالک میں یہ رابطے کی زبان بھی ہے۔ گرگیش ایک انڈین بزنس مین کی مثال دیتا ہے جو بمبئی کے مضافات میں رہتا ہے۔اس کی مادری زبان گجراتی ہے۔مارکیٹ میں وہ مرہٹی بولتا ہے جو کہ ریاست کی زبان ہے۔ریلوے اسٹیشن پر ہندوستانی بولتا ہے ۔شام کو وہ ہندی یا انگریزی میں فلم دیکھتا ہے۔شام کو ریڈیو پر انگریزی زبان میں کرکٹ میچ پر تبصرہ سنتا ہے۔اس مثال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انڈیا میں کثیر السانی معاشرہ موجود ہے۔

جنوبی ایشیا میں میں انگریزی زبان کے بڑھتے ہوئے استعمال کی وضاحت کے لیے انڈیا بہترین مثال ہے۔ گریش نے انڈیا میں انگریزی زبان کے استعمال کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا ہے ۔پہلے درجے کو وہ Auxiliary Function کا نام دیتا ہے جس میں انگریزی زبان کو رابطے کی زبان سے زیادہ علم حاصل کرنے کی زبان کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔اس تناظر میں اسے "لائبریری لینگوج" کہا جاتا ہے۔یہ دو زبانوں کے استعمال میں انگریزی زبان کا غیر فعال استعمال ہے۔Supplementary Function میں انگریزی زبان محدود ضرورتوں کے حصول کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مثلاً انڈین سیاح باہر جا کر انگریزی زبان بولیں۔جب غیر ملکی سیاح انڈیا آئیں تو مقامی سیاحتی رہنما ان سے انگریزی زبان میں بات کریں اور اس کی مثال انڈین ٹیکسی ڈرائیور بھی ہیں۔اسے "سواری کی زبان" کہا جاتا ہے جس سے مراد ایک زبان کا کسی ذریعے سے دوسرے لوگوں تک منتقل ہو جانا ہے۔زبان

کے استعمال کے Complementary Function درجے میں انگریزی زبان کو معاشرتی تناظر میں قومی زبان کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔اس میں انگریزی "رابطے کی زبان" کے طور پر استعمال ہوتی ہے جس میں ہندی بولنے والے دوسری زبان بولنے والوں سے گفتگو کرتے ہیں۔Equative Function میں تمام شعبوں میں انگریزی زبان کو متبادل زبان کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔اس کی مثال ملٹی نیشنل کمپنیوں میں کام کرنے والے کارکن ہیں۔

جنوبی ایشیا کے تمام ممالک میں انگریزی زبان کو معتبر اور اعلیٰ درجے کی زبان تسلیم کیا جاتا ہے۔ان خطوں میں انگریزی زبان کے مقامی زبانوں کے ملاپ سے ایسی صورت حال پیدا ہوتی ہے جسے گرگیش سیڑھی کے زینوں سے تشبیہ دیتا ہے۔اس سیڑھی کے پہلے زینے میں انگریزی زبان سائنس، تعلیم اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔دوسرا زینہ جسے ثانوی سطح بھی کہا جاتا ہے اس میں انگریزی زبان کا تعلیم ،انتظامی معاملات، علاقائی سیاست اور میڈیا میں استعمال ہے۔انگریزی زبان کے دیگر مقامی زبانوں کے اس ملاپ میں لسانی سیڑھی پر مقامی زبانیں آخری درجے پر ہوتی ہیں۔

گرگیش اپنے اس مضمون میں جنوبی ایشائی ممالک میں انگریزی زبان کے نوآبادیاتی پس منظر کے حوالے سے بتاتا ہے کہ کیسے ایسٹ انڈیا کمپنی کی وساطت سے انگریزی زبان تیزی سے برصغیر میں پھیلی۔جنوبی ایشیا میں انگریزی زبان کی ترویج واشاعت کی بنیاد تعلیمی پالیسی پر رکھی گئی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان بمبئی، کلکتہ ،مدراس اور چنائی کی جامعات میں اعلیٰ تعلیمی سرگرمیوں کی ذریعہ بن گئی۔نوآبادیاتی عہد میں انگریزی زبان کا پھیلاؤ اس قدر شدید تھا کہ ۱۹۲۰ء یہ سیاسی کلامیے کی زبان بن چکی تھی۔برصغیر کے تمام اہم سیاسی لیڈر بی۔جی تلک، محمد علی جناح اور جوال لال نہرو قومی بیداری پیدا کرنے کے لیے انگریزی زبان استعمال کرتے تھے۔ہندوستان میں آزادی کے وقت انگریزی زبان تعلیم، نظم ونسق، عدلیہ اور انڈین میڈیا کی زبان بن چکی تھی۔

جنوبی ایشیا میں انگریزی زبان کی تدریس کو مربوط کرنے میں حکومتیں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔پاکستان کی سرکاری زبان کی پالیسی میں عربی بطور مذہبی زبان اور اردو بطور قومی زبان کے استعمال پر زور دیا گیا ہے۔زیادہ تر سکولوں میں اردو زبان ذریعہ تعلیم ہے۔سندھی اور پشتو اپنے علاقوں تک محدود ہیں۔بین الاقوامی سطح کی تعلیم فراہم کرنے کے لیے حکومتی ادارے ناکافی ہیں۔اس خلا کو نجی ادارے پر کر رہے ہیں جن میں ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہے ۔پاکستان میں انڈیا کی طرح زیادہ تر سائنسی، ٹیکنکل اور پیشہ ور تعلیم انگریزی زبان میں دی جاتی ہے۔پرنٹ میڈیا اور سمعی وبصری میڈیا بھی انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔جنوبی ایشیا میں نجی ٹی۔وی چینلز انگریزی

زبان کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ان چینلز میں ESPN, HBO, Star Movies, Star News and Star Sports, Star World, AXN, Discovery, CNN,BBC شامل ہیں۔ان تمام چینلز پر تفریح اور معلومات کی فراہمی کا ذریعہ انگریزی زبان ہے۔ کوڈمکسڈ اسٹائل اخبارات اور غیر رسمی گفتگو میں استعمال کیا جاتا ہے۔اس کی مثال مشہور پیپسی کا یہ ایڈ ہے کہ یہ دل مانگے More۔اس ایڈ میں مور کا لفظ ایک دلچسپ ابہام پیدا کرتا ہے۔اگر ادبی حوالے سے دیکھا جائے تو انڈیا میں انگریزی ثانوی زبان ہونے کے باوجود اس میں بہت سے مصنف لکھ رہے ہیں۔۲۰

تیج۔کے۔بھاٹیہ (Tej K Bhatia) انگریزی زبان کے اختلاط کے حوالے سے اپنے ایک مضمون World Englishes in Global Advertising میں رقمطراز ہیں کہ انگریزی زبان کی آمیزش چار طریقوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ ورلڈ انگلشز کی آمیزش۔

۲۔ ورلڈ انگلشز کے لہجوں کی آمیزش۔

۳۔ انگریزی زبان کی دوسری زبانوں کے ساتھ آمیزش۔

۴۔ نان رومن اسکرپٹ کے ساتھ انگریزی کی آمیزش۔

ایسے ممالک جن کی زبان انگریزی نہیں ہے ان میں مصنوعات اور کمپنیوں کے نام انگریزی زبان میں رکھنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بھاٹیہ کے مطابق مصنوعات کے نام رکھنے میں انگریزی زبان کو غالب زبان کا درجہ حاصل ہے ۔ایک تجزیہ کے مطابق ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۵ء تک جو اشتہارات ہندی زبان میں شائع ہوئے ان میں نوے فیصد مصنوعات کے نام انگریزی زبان میں تھے۔یہ بھی حقیقت ہے کہ انڈیا میں ایسے علاقے جہاں لوگوں کی انگریزی زبان سے واقفیت کم ہے وہاں مشہور مصنوعات کے نام انگریزی زبان میں استعمال کیے جاتے ہیں۔اس کی عام مثالیں Ariel, Lux, Lifebuoy, Magic, Bonus, Rexona, Sunlight, Surf, Wheel, Marvel, وغیرہ شامل ہیں۔پاکستان میں بھی اشتہار بازی کا ایسا ہی رجحان ملتا ہے۔۲۱

براج بہاری کچرو اپنی کتاب *The Indianization of English: The English Language inIndia* میں لکھتے ہیں کہ انگریزی زبان انڈیا میں غیر ملکی زبان کے طور پر متعارف ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ غیر ثانوی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ بعض اوقات یہ زبان انڈین زبانوں پر فوقیت اختیار کر لیتی ہے اور مادری زبانیں بھی اس کے سامنے ماند نظر آتی ہیں۔یہ انڈین طرز زندگی میں مخصوص انداز سے داخل

ہوتی ہے۔انگریزی زبان کا عکس نہ صرف تحریروں میں نظر آتا ہے بلکہ زبانی کلامیے میں بھی واضح نظر آتا ہے۔انڈیا میں بولی جانے والی انگریزی زبان انڈیا کی ثقافت، روایات، مذہب اور فلسفے کی تصویریں پیش کرتی ہے۔

کچرو کا درج ذیل فریم ورک اس کی اسی کتاب سے تشکیل دیا گیا ہے۔ کچرو نے اس کتاب میں لسانی طریقوں کی موزونیت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس ماڈل کو اردو میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آج کے دور میں اردو مصنفین اپنی ادبی اور غیر ادبی تحریروں میں انگریزی الفاظ کا بے تحاشہ استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کچرو کا پیش کردہ لسانی عوامل پر مبنی ماڈل درج ذیل ہے۔

۱۔ علاقائی محل وقوع

۲۔ کہانی لکھنے کی خاص ترتیب

۳۔ منتقلی کا طریقہ کار

۴۔ ترجمہ کا طریقہ کار

۵۔ الفاظ کا بلاواسطہ استعمال

۶۔ علاقائی محاورات اور ادبی اصطلاحات کا استعمال

۱۔علاقائی محل وقوع:

اس میں تاریخ و ثقافت اور ثقافتی عقائد شامل ہیں۔

۲۔کہانی لکھنے کی خاص ترکیب:

اس میں خاص طور پر کہانی کی ایک کڑی دوسری کڑی کے ساتھ ملانا شامل ہے۔

۳۔منتقلی کا طریقہ کار:

اس میں الفاظ کی منتقلی کا طریقہ کار بھی رائج ہے جو الفاظ کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

۴۔ترجمہ کا طریقہ کار:

اس میں انگریزی کے کچھ الفاظ کو ترجمہ کرنے کی بجائے بلاواسطہ لکھ دیا جاتا ہے۔

۵۔الفاظ کا بلاواسطہ استعمال:

الفاظ کو مرکبات کے ساتھ لکھنا اور انگریزی کے کچھ الفاظ کو بلاواسطہ شامل کر دینا، مثلاً ٹکٹ گھر، ریل کار وغیرہ

۶۔علاقائی محاورات اور ادبی اصطلاحات:

اس میں علاقائی محاورات اور ادبی اصطلاحات کا بغیر ترجمے کے شامل کر دینا ہے۔

کچرو کے مطابق انڈیا میں انگریزی زبان مختلف انداز سے استعمال ہوتی ہے۔کوئی بھی زبان جب کسی ملک میں استعمال ہوتی ہے تو وہ اس کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔انڈیا میں بہت سی ایسی ثقافتی اقدار ہیں جن کو بیان کرنے کے لیے انگریزی زبان میں مترادفات موجود نہیں ہیں۔انڈین ثقافت میں انگریزی زبان انڈین انداز میں استعمال ہوتی ہے۔ثقافت کے تناظر میں انگریزی زبان صرف وہ ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو انڈین ثقافت کے بارے میں شعور رکھتے ہیں۔اگر اس کے بر عکس دیکھا جائے تو سطحی انگریزی الفاظ کے استعمال سے بہت سے تضادات جنم لیتے ہیں۔انگریزی زبان انڈین ثقافت میں جذب ہو چکی ہے اور اس کے لسانی ڈھانچے پر اثرات مرتب کر رہی ہے۔ثقافتی اقدار میں لوگوں کے رویے، ملاقاتیں، گفتگو، لباس، خوراک اور طرز زندگی شامل ہیں۔

یہ بات کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہو گی کہ انگریزی زبان کا شمار دنیا کی تین بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔انگریزی وہ واحد زبان ہے جو پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔اس پھیلاؤ کا ثبوت تاریخ فراہم کرتی ہے۔برطانیہ دنیا میں واحد طاقت تھی جس نے طویل عرصے تک دنیا کے بہت سے ممالک پر حکومت کی۔انگریزی زبان کی ترقی میں برطانوی حکومت کا بھی اہم کردار رہا ہے۔انگریزی زبان کی اس ترقی سے انگریزی کی مختلف اقسام سامنے آئیں۔یہ اقسام مقامی زبانوں ،ثقافت، روایات اور رویوں کے اثرات سے تشکیل پاتی ہیں۔انگریزی زبان کی کچھ اقسام میں امریکن انگلش، کینڈین انگلش، آئرش انگلش، بلیک انگلش، افریقن انگلش، سری لنکن انگلش، چائنیز انگلش، انڈین انگلش وغیرہ شامل ہیں۔ان اقسام کو ذیلی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ذیلی اقسام میں چی چی انگلش، بروکن انگلش، کچن انگلش، باکس والا انگلش، بیریرا انگلش، پڈگن انگلش، بٹلر انگلش، بابو انگلش اور برگر انگلش شامل ہیں۔ہندوستان میں ابتدا میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے روابط ہندوستانیوں سے بڑھے تو انگریزی زبان کی ذیلی قسم پڈگن سامنے آئی لیکن کچھ عرصہ بعد یہ قسم اپنی صفحہ ہستی سے غائب ہو گئی۔

بنیادی طور پر انگریزی زبان کی تمام اقسام ایک جیسی ہیں کیونکہ یہ معیاری برطانوی انگریزی سے اخذ کی گئی ہیں۔تاہم ان میں مختلف سطحوں پر اختلافات موجود ہیں۔یہ اختلافات معنوی، صوتی، لغوی اور جملوں کی تشکیل میں موجود ہوتے ہیں۔

اگر انڈیا میں انگریزی زبان کے استعمال کے حوالے سے دیکھا جائے تو صورت حال تھوڑی مختلف نظر آتی ہے۔انڈیا دنیا کا واحد جمہوری ملک ہے جس میں مختلف زبانیں اور بولیں بولی جاتی ہیں۔انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد انگریزی زبان کے مقام و مرتبے میں خصوصی اضافہ ہوا۔انڈیا میں انگریزی زبان بولنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے جس سے انگریزی زبان کی نئی ذیلی اقسام سامنے آ رہی ہیں۔یہ بھی حقیقت ہے کہ انڈیا میں انگریزی زبان دوسری زبانوں سے میل جول کے نتیجے میں اپنی غیر ملکی زبان کی حیثیت کھو چکی ہے۔یہ ثانوی زبان کی حیثیت سے کثرت سے بولی جاتی ہے۔کچھ ریاستوں میں یہ فرسٹ لینگوئج بن چکی ہے۔کچرو انگریزی زبان کے استعمال کے حوالے سے راجہ راؤ (Raja Rao) کا حوالہ دیتا ہے ان کا انڈیا میں انگریزی زبان کے بارے میں کہنا ہے کہ جہاں تک انڈینز کی نفسیات کا تعلق ہے انگریزی زبان ان کے ساتھ موجود ہے ان کے درمیان موجود ہے اور یہ ان کے درمیان بطور دوست یا مہمان موجود نہیں بلکہ یہ ان کی ذات، نسل، فرقے اور روایات کی زبان بن چکی ہے۔

کچرو انڈیا کے کثیر السانی معاشرے میں اس کے استعمال کی چار سطحیں بیان کرتے ہیں جس سے انگریزی زبان کی ذیلی اقسام تشکیل پاتی ہیں۔

۱۔ تعلیم کی مختلف سطحوں پر انگریزی زبان کا استعمال بطور تدریسی زبان۔

۲۔ قانون اور نظم و نسق کے معاملات میں انگریزی زبان کا استعمال۔

۳۔ انگریزی زبان بطور مواصلاتی زبان۔

۴۔ انگریزی زبان کا بطور تخلیقی زبان کے استعمال۔

انڈیا کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جن میں انگریزی غیر مقامی زبان ہے۔یہ مختلف شعبہ جات میں استعمال ہوتی ہے جس سے اس کی ذیلی اقسام سامنے آتی ہیں۔ان میں سے بٹلر انگلش چنائی اور مدراس میں استعمال ہوتی ہے جس کی مثال مدراس ریزی ڈینسی کے مقامی ملازموں کی بولی جانے والی انگریزی ہے جیسے you going, You will go, You have gone۔بنگالی انگلش یا بابو انگلش بنگلہ دیش اور اس کے گرد و نواح میں استعمال ہوتی ہے۔بابو انگلش خاص اسلوب کے ساتھ استعمال کی جاتی ہے۔بابو انگلش پر بنگالی اور مقامی بولیوں کے تلفظ کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ملک راج آنند اور خشونت سنگھ کی تحریروں میں پنجابی انگلش کا استعمال نظر آتا ہے۔پنجابی انگلش کی مثالیں The Sari Shop, the bridal ivory chooda ہیں۔گجراتی اور پارسی انگلش کا شمار بھی اہم ذیلی اقسام میں ہوتا ہے۔بہت سے پارسی اور گجراتی ادیبوں نے انگریزی زبان میں ادب تخلیق کیا اور قومی و بین الاقوامی ایوارڈ جیتے۔ان ادیبوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے انگریزی زبان کو منتخب کیا باوجود اس کے ان کی مادری

زبانیں اور تھیں۔ باکس والا انگلش زیادہ تر بمبئی میں چھابڑی والے استعمال کرتے ہیں۔ یہ چھابڑی والے غیر ملکیوں اور امیر انڈینز کو اپنی اشیا بیچتے ہیں۔ اس کی مثالیں I come go, One man on chop ہیں۔ عصر حاضر میں یہ ذیلی اقسام انڈیا میں انگریزی زبان کے استعمالات کا عکس پیش کرتی ہیں۔ ان پر مادری زبان کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔

انڈیا میں انگریزی زبان کی جو ذیلی اقسام میں استعمال ہوتی ہے ۔ان میں سے کوڈ مکسڈ ورائیٹیز(CodeMixed Varieties) کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کچرو اس تناظر میں کوڈ مکسنگ اور کوڈ سوئچنگ کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ وہ کوڈ مکسنگ کے لیے کوڈ شفٹنگ کی اصطلاح بھی استعمال کرتا ہے۔ کوڈ مکسنگ سے مراد انگریزی الفاظ کا مقامی زبان کے جملوں میں شامل ہو جانا ہے۔ مثلاً:

۱۔ میرے Father کل میری Fee جمع کرائیں گے۔

۲۔ Bank account open کرنے کے لیے address proof دینا ہو گا۔

کوڈ شفٹنگ سے مراد زبان کا عملی استعمال ہے جب کوئی کثیر الثانی معاشرے کا فرد موضوع یا صورت حال کے مطابق دو یا دو سے زیادہ کوڈز کا متبادل استعمال کرتا ہے تو کوڈ شفٹنگ کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے مثلاً:

☆ I am afraid of nobody. اس وقت مجھے اس سے ملنے کی فکر ہے۔

زبان کی اس تبدیلی سے لسانی روابط کے نئے کوڈ سامنے آتے ہیں۔ مادری زبان میں انگریزی الفاظ کی شمولیت میں زیادہ پڑھے لکھے لوگ زیادہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو انڈیا میں لغوی سطح پر مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً کزن کا لفظ معیاری انگلش میں اسم نکرہ ہے مگر انڈیا میں جو انگریزی کی ذیلی اقسام استعمال ہوتی ہیں ان میں کزن کا لفظ اپنے قریبی رشتے داروں سے تعلق ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ Expire کا لفظ معیاری انگلش میں چیزوں کو بند کرتے وقت لکھا جاتا ہے جس کا مطلب ہے چیز بھیجنا، چیز روانہ کرنا مگر انڈین انگلش میں Expire کا لفظ مرے ہوئے شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں مثلاً:

His grandfather expired yesterday

انڈین ثقافت کی نمائندگی کرنے کے لیے بہت سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جو انگریزی زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکتے جس وجہ سے ہندوستانی ادیبوں نے یہ الفاظ اپنی مادری زبان میں استعمال کیے ہیں اور ان کی وضاحت حواشی میں کی ہے۔ یو۔ آر۔ آننت مرتھی(U.R.Anantmurthy) ایک مشہور کنیڈ ناول نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک ناول "سمسکارا" میں سمسکارا کا لفظ اٹھاون دفعہ استعمال کیا ہے۔ مترجم نے ترجمہ کرتے ہوئے سمسکارا کا لفظ انگریزی

میں ایسے ہی استعمال کیا ہے جب کہ اس لفظ میں معنی کی کئی تہیں پوشیدہ ہیں۔ان تمام مسائل کے باوجود انگریزی زبان انڈیا میں قومی اور علاقائی سطحوں پر اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

مرکب الفاظ کے حوالے سے کچرو کا کہنا ہے کہ مرکب الفاظ میں حرف جار کو ہٹا دیا جاتا ہے اور ان الفاظ میں انگلش اور ہندی الفاظ کو ملا کر مرکب الفاظ بنائے جاتے ہیں مثلاً

Puja Shopping

Shagun Envelop

Puja Holidays

کچرو انگلش الفاظ اور انڈین الفاظ کے مرکبات کے لیے Indianness in Hybrid Formation کی اصطلاح استعمال کرتا ہے جس سے مراد آدھا انگلش اور آدھا انڈین ہے۔یہ ایسے مرکب الفاظ ہوتے ہیں جن میں دونوں زبانوں سے الفاظ لیے جاتے ہیں مثلاً:

Earthen +Chulha

Box+Wala

Attar+ Bottle

Pan+Juice

انگلش ذخیرہ الفاظ میں ہندی الفاظ بھی شامل ہوتے رہتے ہیں۔بعض اوقات ہندی،اردو اور دوسری انڈین زبانوں کے الفاظ براہ راست متن کا حصہ بن جاتے ہیں مثلاً:

"The Brahmin proud,

the martial Kshatriya,

the humble toiling sudra..."[۲۲]

اردو میں انگریزی الفاظ بکثرت داخل ہو رہے ہیں۔عالمگیریت کے تناظر میں انگریزی کو عالمی زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔انگریزی کو یہ حیثیت نوآبادیات کے نتیجے میں ملی۔انگریزی نے بعض نوآبادیوں میں قاتل زبان کا کردار بھی ادا کیا ہے۔نوآبادیاتی نظام کے خاتمے کے طویل عرصے کے بعد بھی انگریزی علم،اقتدار کی زبان اور سماجی مرتبے کی علامت ہے۔لسانی استعماریت سے مابعد نوآبادیاتی عہد میں نئی جہت پیدا ہوئی ہے۔یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ انگریزی راج کی پشت پر عالمی طاقتیں ہیں۔تیسری دنیا کے ممالک لسانی استعماریت کا نشانہ بن رہے ہیں مگر ان کے

سارے باشندے انگریزی نہیں پڑھ سکتے ایک مخصوص طبقہ ہی انگریزی پڑھ سکتا ہے۔انگریزی پڑھنے والااور انگریزی لکھنے والا طبقہ حقیقتاً وہ جماعت ہے جو اردو یا دوسری مقامی زبانوں میں انگریزی کا جابجا پیوند لگانے میں فخر محسوس کرتی ہے۔اس لسانی استعماریت سے بہت روشن خیال رکھنے والے نوجوان ناول نگار،افسانہ نگار،سفر نامہ نگار اور شاعر اپنے متون میں انگریزی الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کر رہے ہیں۔پاپولر فکشن کے منظر نامے پر جن خواتین ناول نگاروں نے مقبولیت حاصل کی ہے ان میں آمنہ مفتی،بشریٰ رحمٰن،ماہا ملک،فرحت اشتیاق،نمرہ احمد اور عمیرہ احمد کے نام قابل ذکر ہیں۔ان ناول نگاروں کے ہاں اردو الفاظ کے مترادفات ہونے کے باوجود کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔اس استعمال کی وجہ لسانی استعماریت اور ہماری ذہنی غلامی نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی،تاریخ ادب اردو،(لاہور: مجلس ترقی ادب،۲۰۰۸ء)،۱۔

۲۔ الاسٹیر پینی کک، *The Cultural Politics of English as an InternationalLanguage*،(نیویارک:روٹ لیج ٹیلر اینڈ فرانسس گروپ،۲۰۱۳ء)، ص۱۔

۳۔ رابرٹ فلپسن،*Linguistic Imperialism*،(آکسفرڈ:یونی ورسٹی پریس،۱۹۹۲ء)،۸۵۔

۴۔ ایضاً،ص۸۴۔

۵۔ ڈیوڈ کرسٹل،*English as a Global Language*،(کیمبرج:یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۷ء)،ص۳۵۔

۶۔ ناصر عباس نیر،مابعد نوآبادیات اردو کے تناظر میں،(کراچی:آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء)،ص۴۹۔

۷۔ نازے فرحت،An Essay on linguistic Imperialism،(بنگلہ دیش:یونی ورسٹی آف لبرل آرٹس،۲۰۱۲ء)،ص۸۔

۸۔ سکت ناب کنگاس،*Linguistic Diversity and Biodiversity*،(نیویارک، ۲۰۰۳ء)،ص۲۵۔

۹۔ رابر ٹفلپسن،*Linguistic Imperialism*،(آکسفرڈ:یونیورسٹیپریس، ۱۹۹۲ء)، ص۸۵۔

۱۰۔http://www.Cambridgepress.com/abi/9781604977240abipdf

۱۱۔ https://www.dawn.com/news/1029443

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، ترتیب وتدوین سید شوکت علی شاہ:اردو زبان مسائل اور امکانات، مشمولہ مقالات عالمی اردو کانفرنس ملتان،(لاہور: خزینہ علم وادب،۲۰۰۴ء)،ص۳۷۔

۱۳۔ http://article.sciencepublishinggroup.com/pdf/10.11648
.j.ijll.20150302.14.pdf

۱۴۔ https://dailypakistan.com.pk/22.oct.2014/155139

۱۵۔ https://www.tajziat.com/article/1322

۱۶۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، مترجم، مرزا محمد عسکری، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۹۔

۱۷۔ جمیل احمد پیرزادہ، اخبار اردو، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء)، ص ۱۲۔

۱۸۔ شہباز حسین، فن ترجمہ نگاری، مرتب، خلیق انجم، (نئی دہلی: شنز آفسٹ پرنٹرز، ۱۹۹۲ء)، ص ۶۷۔

۱۹۔ براج بہاری کچرو، *The Handbook of World Englishes*، (آسٹریلیا: بلیک ویل، ۲۰۰۶ء)، ص ۴۴۸۔

۲۰۔ راوندر گرگیش، *The Handbook of World Englishes*، (آسٹریلیا: بلیک ویل، ۲۰۰۶ء) ص، ۹۰۔

۲۱۔ تیج۔ کے۔ بھاتیہ، *The handbook of World Englishes*، (آسٹریلیا: بلیک ویل، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۰۴۔

۲۲۔ براج بہاری کچرو، *The Indianization of English: The English Languagein India*، (کیمبرج: یونی ورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء)۔

باب دوم:

عمیرہ احمد کے مقبول عام ناول میری ذات ذرہ بے نشاں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ

باب دوم

عمیرہ احمد کے ناول میری ذات ذرہ بے نشاں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر

برطانوی سامراج کے عہد میں ہندوستانیوں کے بارے میں سامراجی قوت کی یہ رائے قائم ہو گئی تھی کہ وہ کردار اور افعال کے لحاظ سے قابل اعتبار نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں انتظامی امور میں شریک ہو کر موثر کردار ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ برطانوی منتظمین نے ہندوستانیوں کے بارے میں مختلف مفروضے گھڑ لیے تھے۔ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ ہندوستانی تاریخی طور پر نااہل، کاہل، سست اور بے ایمان ہیں۔ لہذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان پر طاقت اور جبر کے ساتھ حکومت کی جائے جس کے یہ عادی ہیں۔ ماضی میں بھی ان پر ظالم و جابر حکمرانوں نے حکومت کی ہے اور یہ ایسے ہی حکمرانوں کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہیں۔

انھوں نے ہندوستانیوں کے بارے میں ایک یہ بھی نظریہ قائم کیا کہ ہندوستانی بد عنوان ہیں اور کمزور کردار کے مالک ہیں مگر ان کو سدھارا جا سکتا ہے۔ان کے کردار کو بدلا جا سکتا ہے،ان کی عادتوں میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے اور انہیں کام کے لائق بنایا جا سکتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کی روایات،اقدار، رسومات اور اداروں کی اصلاح کر کے انہیں تبدیل کیا جائے۔ان مقاصد کے حصول کے لیے سامراجی طاقتوں نے برصغیر کے تنظیمی ڈھانچے میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ان میں سے ایک اہم تبدیلی فارسی زبان کا خاتمہ تھا اور اس کہ جگہ انگریزی زبان کا نفاذ تھا۔

مغربی ممالک کو ہمیشہ اس بات پر ناز رہا ہے کہ ان کی تہذیب اور کلچر کی بنیاد سائنسی سوچ اور فکر پر رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے ان کی علم کی دنیا سب سے بہتر ہے۔ دنیا میں ہونے والی ہر طرح کی ترقی کا دار و مدار مغرب کے سائنسی اور منطقی علوم کی اسی دنیا پر ہے۔ جب مغربی ممالک نے اپنی نو آبادیوں پر اپنا تسلط مضبوط کیا تو انھوں نے اول تو محکوم قوموں میں اس احساس کو پیدا کیا کہ وہ تہذیبی طور پر ان سے بہت پیچھے ہیں اس لیے مغرب کا تسلط ان کے لیے

باعث نعمت و برکت ہے۔ نوآبادکاروں نے علمی طور پر ذہنوں کو مسخر کیا جس کی وجہ سے نوآبادیاتی باشندوں کو اپنی روایات اور قدروں سے نفرت ہو گئی۔ انہیں اپنے مذاہب، توہمات کا مجموعہ، اپنا کلچر جہالت کا مظہر اور اپنا ادب لغویات کا مجموعہ نظر آنے لگا۔ انگریز قوم نے برصغیر میں اپنے قیام کو استحکام بخشنے کے لیے جو حربے استعمال کیے ان میں سے ایک تو ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانا تھا اور دوسرا اردو زبان تھی۔ اس حوالے سے پروفیسر مجاہد اسلام لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج کے توسط سے اردو اور دیوناگری رسم الخط میں کتابیں شائع کر کے ہندوستان کے لسانی اتحاد میں دراڑ ڈالی۔"[1]

نوآبادیاتی حکمرانوں نے نہ صرف فوج، پولیس اور جارحانہ طاقت سے حکومت کی بلکہ لوگوں کو ذہنی طور پر محکوم بنانے کے لیے اپنی علم کی دنیا کو بھی ان پر نافذ کیا۔ اس قسم کے نصاب بنائے گئے کہ جس سے یورپی اقوام اور مغرب کی برتری قائم ہو۔ اس کے نتیجے میں یورپ ترقی کا ماڈل بن گیا۔ آہستہ آہستہ نوآبادیاتی باشندوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ اگر کوئی ملک ترقی کر سکتا ہے تو اسے انہیں راہوں پر چلنا پڑے گا جن پر یورپ نے چل کر ترقی کی منازل طے کی ہیں۔ یورپی علم کے اس غلبے اور تسلط نے ہر مقامی ادارے اور روایت کو پس ماندہ کر دیا۔

جب نوآبادیاتی دور کا خاتمہ ہوا سیاسی طور پر تو ایشیا اور افریقہ کے ممالک آزاد ہو گئے مگر سماجی اور معاشی، سائنسی اور فکری طور پر مغرب کے زیر اثر اور تسلط میں ہی رہے۔ ان ممالک میں جو حکمران طبقہ آیا وہ مغرب کا تعلیم یافتہ تھا اور مغربی تہذیب سے متاثر تھے۔ ان کے خیال میں جدیدیت کے معنی مغربی تہذیب و تمدن اور کلچر کو اختیار کرنا تھا اور یہ بھی تھا کہ آزادی کے بعد بھی نوآبادیاتی دور کے ادارے اور روایات باقی رہیں۔

نوآبادیاتی عہد میں سامراج مقامی روایات اور اداروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آج بھی ہمارا اعلیٰ طبقہ انھیں خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اپنی سوچ اور فکر کے اعتبار سے خود کو یورپی اور عوام کو جاہل، وحشی اور گندا سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے ملک میں خود کو اجنبی اور غیر محسوس کرتا ہے۔ اس کی زبان، لباس اور طرز زندگی عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ یہی طبقہ لسانی استعماریت کو استحکام بخشتا ہے۔ یہ طبقہ یورپ کی سابقہ نوآبادیوں میں انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔

اردو زبان کے ارتقا کے حوالے سے لکھی جانے والی اکثر کتابوں میں زیادہ زور اردو زبان کی ابتدا کے بارے میں نظریات کی تحقیق پر دیا جاتا ہے۔ ہندی، ہندوستانی، ریختہ یا اردو معلیٰ کا سفر تو بیان کیا جاتا ہے۔ مگر موجودہ عہد میں اردو زبان کے مسائل کے بارے میں زیادہ بات نہیں کی جاتی۔ اردو کو پاکستانی زبان کا درجہ تو دیا گیا مگر افسوس کے یہ

ہمیشہ سرکاری سرپرستی سے محروم رہی۔اس کے فروغ کی ذمہ داری حکمرانوں کے کندھوں پر تھی مگر انھوں نے کبھی بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ قومی زبان اور دفتری زبان کے فرق کی وجہ سے اردو کا کردار قومی زندگی میں محدود ہو گیا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ ضمانت دی گئی تھی کہ پندرہ سال کے اندر اندر پاکستان کی دفتری اور سرکاری زبان اردو ہو گی مگر حکمرانوں کے دیگر وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی وفا نہیں ہو سکا۔اس حوالے سے کوئی موثر احتجاج بھی دیکھنے کو نہیں ملتا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی زبان برتر اور حکمران زبان کی حیثیت سے پاکستان میں بدستور رائج ہے اور اردو زبان پر اثر انداز ہو رہی ہے۔

براج کچرو کے مطابق انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں یورپ کی سابقہ نوآبادیاں بھی اہم کردار ادا کر رہی ہیں ۔پاکستان کا شمار یورپ کی سابقہ نوآبادیوں میں ہوتا ہے۔پاکستان میں رائج مغرب زدہ تعلیمی نظام نے طبقاتی تقسیم کو جنم دیا ہے۔انگریزی تعلیم کے حامی پاکستان میں یہ تصور پیش کرتے نظر آتے ہیں کہ جس ملک سے ٹیکنالوجی آتی ہے اس کے ساتھ اس ملک کا کلچر بھی آتا ہے۔ جس معاشرے کی ٹیکنالوجی پر برتری ہو گی اسی کی بالادستی قائم ہو گی۔ مغربی اقوام کے نزدیک کلچر اور ثقافت کی بنیاد محض مادی ترقی ہے۔ کلچر کی تمام تعریفوں میں ایک بات مشترکہ نظر آتی ہے کہ کلچر ایک پیچیدہ قسم کا دائرہ ہے جس میں کسی قوم یا معاشرے کے کلچر میں اس کی زبان ،رہن سہن ، کھانا پینا ،اخلاقیات، مذہبی رسومات، لباس، شادی بیاہ، موت، موسیقی، جنگ و جدال، دوستی و دشمنی غرض ہر وہ چیز شامل ہوتی ہے جسے آج کی یورپی دنیا اپنے مہذب معاشرے میں لائف اسٹائل کا نام دیتی ہے۔ مغربی ممالک جس صورت حال کو اپنا لائف اسٹائل یا طرز زندگی کہتے ہیں وہ ہی ان کا نظریہ ہے۔وہ اپنے اس نام نہاد نظریے کی بنیاد پر جہاں دل چاہے قتل و غارت کریں۔پورے کے پورے شہر کھنڈر بنا دیں۔۔دنیا میں کسی بھی کلچر کے فروغ پانے کی تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔قدیم دور میں اس کی وجہ نظام تعلیم تھا اور جدید دور میں اس کی تین وجوہات سامنے آتی ہیں:

۱۔ نظام تعلیم

۲۔ میڈیا

۳۔ ادب

نظام تعلیم میں کلچر کا پھیلاؤ زبان کے ذریعے ہوتا ہے ۔انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں یورپی اقوام کی سامراجی آئیڈیالوجی پوشیدہ ہے۔انگریزی زبان کی ترقی سے ان کا کلچر پاکستانی معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔اس وجہ سے اس کے ذہنوں میں انگریزی زبان کی عظمت راسخ ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اپنے زبان و ادب سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ مغربی ادب اور تہذیب و ثقافت کو اعلیٰ ارفع سمجھنے لگے ہیں۔

انگریزی زبان انگلستان سمیت دنیا بھر میں بولی جانے والی وسیع زبان ہے جو متعدد ممالک میں بنیادی طور پر بولی جاتی ہے۔ جبکہ دیگر ممالک میں ثانوی یا سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ انگریزی دنیا میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان بن چکی ہے۔ انگریزی برطانیہ اور امریکہ کی سابقہ نوآبادیوں میں سے اکثر کی یہ سرکاری زبان ہے جن میں پاکستان ،بھارت، گھانا، نائجیریا، جنوبی افریقہ ، کینیا ،یوگنڈا اور فلپائن شامل ہیں ۔پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں اس کے استعمال کا دائرہ کار آہستہ آہستہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔ سلطنت برطانیہ کی وسیع سرحدوں کے باوجود انگریزی بیسویں صدی کے وسط تک رابطے کی زبان نہیں تھی بلکہ اسے یہ مقام دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کی فتح اور دنیا بھر میں امریکی ثقافت کی ترویج کے ذریعے حاصل ہوا۔ خصوصاً ذرائع مواصلات میں تیز ترقی انگریزی زبان کی ترویج کا باعث بنی۔

انگریزوں کی غلامی کے عہد میں نوآبادیاتی باشندے انگریزی زبان سیکھنے کے لیے مجبور تھے مگر آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی انگریزی کا طوق گلے میں موجود ہے۔ انگریزی زبان کا استعمال پاکستانی قوم کے لیے باعث فخر اور اردو زبان کا استعمال باعثِ ندامت بنتا جارہا ہے۔ انگریزوں کی غلامی میں رہتے ہوئے تو ہم نے اپنی زبان کو بڑے دلیرانہ انداز میں زندہ رکھا اور اس پر انگریزی زبان کے سائے کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر ماضی میں انگریزی زبان کے پھیلاؤ کی وجہ انگریزوں کی حکمرانی تھی تو اب تو غلامی کا دور ختم ہوئے اتنے برس بیت گئے ہیں مگر انگریزی زبان کا لسانی استعمار ابھی تک قائم ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ذہنوں پر انگریزی زبان کی حکومت طاری ہے اسی وجہ سے بات چیت میں جگہ جگہ انگریزی کے الفاظ کا استعمال ہمارے پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے اور لوگ ہم سے مرعوب ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے آصف جیلانی کا کہنا ہے:

> "ہم نے مذہبی عقیدے کی طرح اس پر یقین کر لیا ہے کہ انگریزی ہی ہماری رائے نجات ہے اور یہی ہمیں اپنے ملک میں اور غیر ممالک میں روزگار کے روشن مواقع فراہم کر سکتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ انگلش میڈیم اسکولوں کا ایک جنگل کھڑا ہو گیا ہے۔ گھروں میں بچوں سے اردو میں بات چیت واجبی سی رہ گئی ہے۔ بہت سے نوجوان تو بڑا اترا کر کہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں اردو صرف ماسیاں بولتی ہیں۔ پاکستان کے ٹیلی ویژن چینلز کے بعض اینکر پرسنز کی زبان اس بات کی چغلی کھاتی ہے کہ انھوں نے باقاعدہ اردو نہیں پڑی، وہ صرف سنیسنائی اردو بول لیتے ہیں۔ بحث و مباحثہ میں بے دھڑک انگریزی کی بیساکھی استعمال کرتے ہیں۔"[۲]

اگر پاکستانی ثقافت پر لسانی استعماریت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے اثرات بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں ہمارے معاشرے میں انگریزی زبان اور میڈیا کے ذریعے مغربی رجحانات تیزی سے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ہم نے اپنی مذہبی، قومی، ثقافتی، اور معاشرتی اقدار میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ہے جبکہ مغربی تہذیب و ثقافت اور روایات کو اپنانا شروع کر دیا ہے۔ اس رویے سے ایسا لگتا ہے کہ ہم غیر مذہبی و غیر قومی رجحانات کی اندھا دھند تقلید میں اپنی اصل شناخت خود اپنے ہاتھوں سے مسخ کر دیں گے۔ جدیدیت کے اس چکر میں ہم اپنی زبان اور ثقافت سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ آزاد میڈیا نے چند برسوں میں بے حد ترقی کی ہے۔ میڈیا نے انگریزی زبان کے پھیلاؤ اور مغربی کلچر کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ہر معاشرے کی اپنی تہذیب و ثقافت اور روایات ہوتی ہیں۔ پاکستانی معاشرہ رنگا رنگ تہذیب و ثقافت کا گہوارہ ہے۔ جن معاشروں کی تہذیب و ثقافت اور روایات زندہ رہتی ہیں وہ اپنا قد و قامت بلند سے بلند تر کرتے چلے جاتے ہیں۔ مغربی ممالک کا اصل مطمع نظر اپنی تہذیب کو اس طرح پھیلانا اور پیش کرنا ہے کہ ان کی تہذیب و تمدن کو سب پسند کریں اور تیسری دنیا کے لوگ اپنی قدروں اور روایات کو اپنانے کی بجائے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں اور انہیں دقیانوسی قرار دے کر ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے لگے۔ مغربی تہذیب کا رنگ چڑھنے میں انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ میڈیا بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ مغربی لباس، مغربی موسیقی، مغربی زبان اور مغربی اطوار کو ہماری نوجوان نسل نے اپنا لیا ہے۔ یہ نوجوان طبقہ اپنی مادری زبانوں کو روزمرہ گفتگو میں استعمال کرنا باعثِ ندامت سمجھتے ہیں۔ انگریزی زبان کی اس استعماریت سے ہم اپنی تہذیب و تمدن سے کٹ جائیں گے اور دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں کا آئینہ بن جائیں گے۔ ٹرولین نے نوآبادیاتی عہد میں انگریزی زبان و ادب کی تدریس کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے کہا تھا:

> "ہندوستانی نوجوان ہم سے ہمارے ادب کے ذریعے مانوس ہونے کے بعد ہمیں غیر ملکی سمجھنا ترک کر دیتے ہیں۔ وہ ہماری ہی طرح ہمارے عظیم لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ یکساں طریقے سے تعلیم حاصل کرنے، یکساں باتوں میں دلچسپی لینے، یکساں مشاغل میں ہمارے ساتھ مصروف ہونے کے بعد ہندوستانیوں سے زیادہ انگریز بن جاتے ہیں"۔[۳]

آزادی کے بعد اتنے سال گزارنے کے بعد بھی ہم مغربی اقوام کی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کو سمجھ نہیں سکے۔ انگریزی زبان کی موجودہ تدریس اور استعمال سے ہمارے ذہنوں میں مغربی تہذیب و ثقافت کو برتر اور عظیم

سمجھنے کا رجحان ویسا ہی ہے جیسا، نو آبادیاتی عہد میں تھا۔ لسانی استعماریت کا مقصد نئی سامراجی قوتوں کو ان کی اجارہ داری قائم کرنے کی دعوت دینا ہے۔

اگر ہم برصغیر پاک و ہند میں انگریزی زبان کی تاریخ کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ کیسے ایک منصوبے کے تحت انگریزی زبان کو ترقی دی گئی۔ ہندوستان میں انگریز قوم کی آمد کے بعد انگریزی زبان اسکولوں میں پڑھائی جانے لگی۔ ۱۷۱۱ء میں انگریزی زبان کی تدریس کے لیے پہلا کالج کلکتہ میں قائم ہوا۔ لارڈ میکالے نے اس ضمن میں کہا کہ:

"انگریزی ادب کی ایک الماری تمام دنیا کے مشرق کی کتب کے برابر ہے۔" [۴]

انگریزی زبان کی اہمیت کے پیش نظر انگریزی ذریعہ تعلیم کے ادارے روز بروز کھلنے لگے۔ انگریزی زبان کے استعمال اور لسانی تفریق سے ہی انگریز برصغیر میں ہندو مسلم تفریق کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے انگریزی زبان کی کتابیں سستی قیمتوں پر فروخت کیں اور انگریزی زبان کی تعلیم کو استحکام بخشنے کے لیے خصوصی مالی مراعات دیں جبکہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے مختص مالی مراعتوں کا دائرہ سکیڑ دیا۔ موجودہ عہد میں بھی ایسی صورتِ حال کا سامنا ہے۔ ہماری حکومتیں تعلیم کی ترقی کے لیے مغربی اقوام سے قرض لیتی ہیں اور تعلیمی نصاب ان کی منشا کے مطابق مرتب کرتی ہیں۔ نصاب کی تشکیل میں انگریزی زبان کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔

پاکستان کے تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان کو خاص مقام حاصل ہے۔ نجی اسکولوں میں ابتدا ہی سے تمام مضامین کی تدریس انگریزی زبان میں ہوتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان کے غلبے کے ساتھ ساتھ تمام کاروباری معاملات، خط و کتابت پبلک امتحانات، پیشہ وارانہ امتحانات اور امتحانی پرچہ جات انگریزی زبان میں ہی بنائے جاتے ہیں۔ تمام پاکستانی بینکوں میں بشمول اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی تمام رسیدیں، چیک بک ڈرافٹ، تمام جمع شدہ رقوم اور نکالی جانے والی رقوم کا حساب بھی انگریزی میں ہوتا ہے، حتیٰ کہ درخواست بھی انگریزی میں لکھنی پڑتی ہے۔ اردو پاکستان کی قومی زبان ہونے کے باوجود انگریزی زبان سرکاری سطح پر رائج ہے۔ پاکستان کو انگریزی زبان ورثے میں ملی ہے اور اس کے غلبے سے ہمارے ادب، معاشرت، سیاست، مذہب اور نفسیات پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

انگریزی کی اس قدر اہمیت سے ہمارا معاشرہ دو حصوں میں بٹ گیا ہے: ایک اردو دان طبقہ اور دوسرا انگریزی دان طبقہ۔ انگریزی بولنے والا طبقہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے برتر اور تعلیم یافتہ تصور کرتا ہے جبکہ اردو بولنے والے طبقے کو عام اور کم تر سمجھا جاتا ہے چاہے وہ کتنی ہی قابلیت کیوں نہ رکھتا ہو۔ اس معاشرتی تقسیم نے اردو دان طبقے میں احساسِ کمتری پیدا کر دی ہے جس کے باعث ملکی افتقار اور نظریات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جب معاشرے میں طبقاتی تقسیم ہو

جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں ذہنی دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ انسان احساس کم تری میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستانی معاشرے سے غربت اور پسماندگی کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔

لوگ اپنے بچوں کو انگریزی ذریعہ تعلیم کے اداروں میں اس لیے بھیجتے ہیں کہ جہاں سے فارغ التحصیل ہو کر اچھے عہدوں پر فائز ہوں گے۔ اردو اور انگریزی زبان کے حامیوں کے درمیان کھچاؤ پایا جاتا ہے۔ انگریزی تعلیم نے ہمیں ایک طرف جدید علوم کے خزانے دیے ہیں تو دوسری طرف طبقاتی تقسیم کی دیوار کھڑی کر کے احساس محرومی کا شکار بنا دیا ہے۔ پاکستان میں دوہرا نظام رائج ہے۔ انگریزی کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ انگریزی زبان میں ماہر طلبا مقابلے کے امتحانات پاس کر کے اعلیٰ ملازمتیں حاصل کرتے ہیں جبکہ اردو ذریعہ تعلیم کے فارغ التحصیل طلباڈگریاں اٹھائے ہوئے ملازمت کے حصول کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں اور ادنی ملازمتوں میں جگہ پاتے ہیں۔ اس سے حاکم اور محکوم کے دو طبقے پیدا ہو گئے ہیں اور یہ بات قومی نقطہ نظر سے تکلیف دہ ہے۔

انگریزی زبان پاکستان میں مغربی ثقافت اور مغربی نظریات کو عام کر رہی ہے۔ ماضی سے گریز اور نام نہاد جدیدیت کی طرف رغبت بڑھ رہی ہے انگریزی ذریعہ تعلیم کے اداروں کا کمال یہ ہے کہ پاکستانی طالب علموں کو شیکسپیئر، ملٹن، برنارڈ شاہ اور جارج ایلیٹ کا تو علم ہے لیکن معروف مسلمان کے ناموں تک سے واقف نہیں۔ پاکستان کا نوجوان طبقہ لندن اور امریکہ کا اثر تو بہت جلد قبول کر لیتا ہے لیکن مذہب کی بات اور اثرات اس لیے قبول نہیں کرتا کہ مغرب میں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑھ چکی ہے۔

پاکستان میں انگریزی زبان اور ذریعہ تعلیم سے سیاست دوسرے شعبوں کے مقابلے میں زیادہ متاثر نظر آتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ سیاست کے بارے میں ہمارے سیاست دانوں کے افکار و نظریات مختلف ہیں۔ کچھ ملک میں جمہوریت رائج کرنے کے حق میں ہیں جبکہ کچھ خالص اسلامی حکومت کے حامی ہیں۔ چند سوشلٹ نظام حکومت کے حامی ہیں۔ مغربی جمہوریت کے حامیوں کا خیال ہے کہ پاکستان کی ترقی کے لیے سوشلزم اور کمیونزم ضروری ہیں اس سے لوگوں کو معاشرتی اور معاشی آزادی حاصل ہو جائے گی کسی بھی ملک کی قومی ترقی کا انحصار کسی واحد نظام پر نہیں ہوتا بلکہ قومی شعور، قومی ذمہ داری، یکجہتی اور قومی طاقت کے عناصر پر ہوتا ہے۔

اردو پر انگریزی زبان کے اثرات انگریزوں کی ہندوستان میں آمد اور باہمی میل جول کے ساتھ ہی شروع ہو گئے تھے۔ انگریزی زبان سے مغلوبیت کا عہد علی گڑھ تحریک سے شروع ہوتا ہے۔ سر سید نے اپنی نثر میں کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال کیا اور ان کے ساتھیوں نے بھی ان کے تتبع میں اردو نثر میں انگریزی الفاظ کا بے جا استعمال جاری رکھا۔ اس عہد میں انگریز استعماریت نے پڑھے لکھوں کا ایک ایسا نیا طبقہ پیدا کیا جو ملک کی سیاست، معیشت اور

ملازمتوں کی اجارہ داری رکھتا تھا۔ مسعود حسین خان اپنی کتاب اردو کا المیہ میں رقمطراز ہیں کہ قومی اتفاق رائے اس بات پر ہوا کہ انگریزی اب زیادہ عرصے تک نہ تو تعلیم کا ذریعہ رہ سکتی ہے اور نہ ہی سرکاری نظم و نسق کا۔ یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ان حیثیتوں میں انگریزی کا مقام علاقائی زبانیں لیں گی نہ کہ ہندی۔ تاہم ہماری جامعات میں اساتذہ کا ایسا طبقہ موجود ہے جو ابھی تک خود کو اس صورت سے ہم آہنگ نہیں کر سکا ۵۴ کروڑ انسانوں کی تعلیم کا بندو بست ایک غیر ملکی زبان کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا۔ انگریزی میں تعلیم یافتہ نسل پیدا کرنے کے لیے لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ اساتذہ کی ضرورت ہو گی۔ ۵

اگر نو آبادیاتی عہد میں لکھے جانے والے ادب کا مطالعہ کیا جائے تو اردو نثر اور شاعری میں انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نو آبادیاتی عہد کے ایک اہم شاعر ہیں جنھوں نے اپنے کلام میں بہت زیادہ انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی مغربی تہذیب و ثقافت کے خلاف تھے لیکن انھوں نے اپنی شاعری میں طنزاً انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اس کی مثالیں پبلک، لٹریچر، ہسٹری، نیچرل، گورنمنٹ، یونی ورسٹی، جمپ پلٹن، لیڈر، انگلش وغیرہ ہیں۔ مرزا غالب کے خطوط میں بھی انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ اس کی مثالیں رپورٹس، بکس، ڈگری، پارسل، اپیل، ایگریمنٹ، پمفلٹ، پاکٹ، ایجنٹ، پوسٹ پیڈ، ڈبل، گورنمنٹ، اسٹامپ پیڈ وغیرہ ہیں۔ سعادت حسن منٹو سامراجی عہد کے سب سے نمایاں افسانہ نگار ہیں جن کی تحریروں میں انگریزوں کے خلاف مزاحمتی رویہ ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں انسانی فطرت کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی کی ہے۔ ان کی تحریریں افسانے کی شکل میں اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات اور ان حالات کے پیدا کیے ہوئے احساسات کی عکاسی ہیں۔ ان کے افسانوں میں مزاحمتی رویے کے باوجود انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ ان کے افسانوں سے انگریزی الفاظ کی مثالیں ٹائپ، ایڈیٹر، ریکاڈر، اسٹائل، اڈریس، فراڈ، آرٹسٹ، بلیک لیبل، کنٹریکٹ، ایکٹرس، رول، کریکٹر، آرٹ، پارٹ سٹیمنا، ڈانس، پکچر، ایکٹنگ وغیرہ ہیں۔ سر سید احمد خان نو آبادیاتی عہد کے ایک اہم مفکر ہیں اور جدید اردو نثر کے بانی ہیں۔ انھوں نے اردو زبان کی نثر کی خوبصورتی پر توجہ دینے کی بجائے مطلب نویسی پر زور دیا۔ ان کی نثر میں بھی انگریزی الفاظ موجود ہیں۔ ان کے مضامین سے انگریزی الفاظ کی مثالیں سوسائٹی، لیکچر، سوشل، آرٹیکل، ریویو، کرسچانٹی، ڈیمانڈ، نون سپلائی، ریفامر، آرٹیکل وغیرہ ہیں

نو آبادیاتی عہد ختم ہو چکا ہے۔ پاکستان اب ایک آزاد ملک ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تشکیل پانے والے اردو ادب میں بھی انگریزی الفاظ کی کثرت ملتی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے باوجود بھی نو آبادیاتی اثرات ختم نہیں ہوئے۔ ہم ذہنی طور پر اپنی زبان کی اہمیت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہمارے ذہنوں پر

آج بھی مغربی اقوام حکومت کر رہی ہیں۔اس کی ایک شکل انگریزی زبان کا تیزی سے بڑھتا ہوا استعمال ہے۔ جمیلہ ہاشمی کا شمار قیام پاکستان کے اہم ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔انہیں اردو کے افسانوی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہے۔انھوں نے افسانے بھی لکھے اور ناول بھی۔ان کے ناول دشت سوس اور تلاش بہاراں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کے ناولوں میں تاریخ اور فکشن کا حسین سنگم ملتا ہے۔ان کے ناول تلاش بہاراں میں بہت سے انگریزی کے الفاظ موجود ہیں۔تلاش بہاراں میں ورکر، کوٹ، سوسائٹی، آرٹ، بورڈ، پارٹی، ایڈیٹر، ڈیوٹی، آڈر، ریکارڈ، بوائے ریزولوشن، سائرن وغیرہ کے علاوہ بہت سے انگریزی الفاظ موجود ہیں۔

بانو قدسیہ اردو ادب کی مشہور معروف ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس ہیں جو اپنے ناول راجہ گدھ کی وجہ سے کافی مشہور ہوئیں۔ان کا ناول راجہ گدھ اپنے موضوع کے اعتبار سے معاشرے کے مسائل کا تجزیہ ہے۔ان کے اس ناول میں انگریزی الفاظ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔انھوں نے انگریزی کے کچھ الفاظ اردو رسم الخط میں لکھے ہیں اور کچھ براہ راست انگریزی زبان میں ہی استعمال کیے ہیں۔ان الفاظ کی مثالیں کینوس، سبجیکٹ، ڈسکس، بلیک بورڈ، فلائنگ، کورٹ، پیکنگ، سوسائٹی، برتھ ڈے، گفٹس، پوائنٹس، سائیڈ، بزنس shallow work Reputation , Passion , Deal , Functional , Repression , Taboos , Assingment , Environmental , Manners , Incement وغیرہ ہیں۔ حاصل گھاٹ میں بھی بانو قدسیہ نے انگریزی زبان کے بہت زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ان الفاظ کی مثالیں سنگل فیملی، بلڈنگ، اپارٹمنٹس، انٹرنیشنل، مارکٹ، روٹین، بریک، سکینڈ، گوسپ، انفارمیشن، تھرڈ ورلڈ، بولڈ، ایکشن Worry , Independent , Home , Grandpas , Grandmas , Self ز Suficent , brave Silly Industries , Zones , best. وغیرہ ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ پاکستان کے مشہور سفر نامہ نگار ہیں۔ان کی وجہ شہرت سفر ناموں کے علاوہ ناول نگاری بھی ہے۔ناولوں اور سفر ناموں کے علاوہ انھوں نے ڈرامے بھی تحریر کیے۔ان کی نثر میں بھی انگریزی زبان کا بہت زیادہ استعمال ملتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ اپنی نثر میں انگریزی الفاظ کا اردو رسم الخط میں استعمال کرتے ہیں، بعض جگہ براہ راست انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ان کی تحریروں میں انگریزی زبان میں جملوں کا استعمال بھی ملتا ہے۔ شہپر ان کی تحریر کردہ ایک ٹیلی کہانی ہے جس میں انگریزی الفاظ کا ہر طرح کا استعمال ہے۔ مثلاً کورس، ڈسپلن، پلیز، ڈارلنگ، رپورٹ فارمنگ، گڈ بوائے، سائل، جنٹلمین، شاور ایڈیٹ گولڈ نائٹ، ٹاپ اسکور وغیرہ۔ جملوں کی مثالیں درج ذیل ہیں:

Do not you have any manners.

We will never forgive you for that.

Do you smoke?

You have done well.

Believe me.

مستنصر حسین تارڑ کے ناول پیار کا پہلا شعر میں بھی انگریزی زبان کے الفاظ کا استعمال موجود ہے۔ مثلاً آڈیڈی، گراؤنڈ، پیکج، موڈ، وارنگ، ڈارلنگ، سلیپنگ، سوٹ نائٹ گاؤن، ریکارڈ کوالٹی آئٹم، ڈیوٹی، فٹ پاتھ، لائٹر وغیرہ ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی اردو ادب کے مشہور نقاد، محقق اور ناول نگار ہیں۔ان کے ناول کئی چاند تھے سر آسماں کو عوام وخواص نے بہت زیادہ سراہا۔ان کے اس ناول میں بہت سے انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے مثلاً Assistant Keeper, News boy, Good Morning, After Dinner Speech, Fish and Chips, Native, I am Sorry, Partner, Forty one years in India کے علاوہ بہت سے انگریزی الفاظ ان کے ناول میں موجود ہیں۔

ذرائع ابلاغ کی بدولت اور گلوبل پذیرائی کے نتیجے میں انگریزی زبان کے الفاظ اردو زبان میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔روز مرہ زندگی میں انگریزی الفاظ کا استعمال بڑھتا جارہا ہے باوجود اس کے کہ اردو میں ان انگریزی الفاظ کے بہترین مترادفات موجود ہیں۔زبان کا ایسا استعمال کرنے والے عموماً اپنے آپ کو سماجی سطح پر بلند کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی روز مرہ گفتگو میں بے تحاشا انگریزی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ادب انسانی زندگی کا عکس پیش کرتا ہے۔پاکستانی معاشرے میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا عکس بیسویں اور اکیسویں صدی کے اردو ادب میں ملتا ہے۔اگر نوآبادیات کے تناظر میں لسانی استعماریت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اردو ناولوں پر انگریزی ناولوں کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ان پر روسی اور فرانسیسی قلم کاروں کے اثرات بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔

اردو ناول اپنے نقطہ آغاز سے عصر حاضر تک انگریزی ناول کے فکر و فن سے متاثر نظر آتا ہے۔مقبول عام فکشن لکھنے والے ادیب انگریزی الفاظ اور فقرات کو شعوری اور لاشعوری طور پر اپنے ناولوں میں لانے کی کوشش

کرتے ہیں۔ عہد جدید کے ناول نگار اپنے ناولوں میں دیگر زبانوں کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں مگر انگریزی الفاظ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔

عمیرہ احمد کا شمار دور حاضر کی مقبول ترین اردو ناول نگاروں اور ڈرامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ عمیرہ احمد کا تعلق اسی خطہ سرزمین سے ہے جہاں طویل عرصے تک انگریز قوم کا نوآبادیاتی اور سامراجی نظام قائم رہا۔ آزادی حاصل کرنے کے اتنے عرصے بعد بھی ہماری سوچ اور ادب پر استعماریت کی مختلف شکلوں کا راج رہا ہے۔ عمیرہ احمد دسمبر ۱۹۷۶ء میں سیالکوٹ شہر میں پیدا ہوئیں۔ مرے کالج سیالکوٹ سے انگریزی ادب میں ایم۔اے کیا۔ وہ آرمی پبلک کالج سیالکوٹ میں انگریزی زبان کی تدریس کرتی رہیں۔ بعدازاں اپنی تحریری مصروفیات کی وجہ سے انھوں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی۔ عمیرہ احمد نے لکھنے کا آغاز ۱۹۸۸ء میں کیا۔ ان کی ابتدائی کہانیاں ماہانہ اردو ڈائجسٹوں میں چھپتی رہیں اور پھر کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ عمیرہ احمد سولہ کتابوں کہ مصنفہ ہیں جن میں سے بیشتر ناول بہت مقبول ہوئے ہیں۔ ان کی کئی کہانیاں ڈرامے کی شکل مختلف چینلز پر پیش کی جا چکی ہیں جو خاص و عام میں بہت مقبول ہوئی ہیں۔ عمیرہ احمد کا ناول پیر کامل ﷺ ان کی شناخت کی وجہ بنا۔ ان کی کہانیاں عموماً حقیقی زندگی کے سماجی مسائل کا احاطہ کرتی ہیں اور عصر حاضر کی تہذیب و ثقافت کا عکس پیش کرتی ہیں۔ مقامی مسائل اور حالات کے بیان کے ساتھ ساتھ تصوف بھی ان کے ناولوں کا خاص موضوع ہے۔ ان کے تخلیق کردہ ناول اور کہانیاں درج ذیل ہیں۔

پیر کامل
زندگی گلزار ہے
میری ذات ذرہ بے نشاں
ایمان ،امید اور محبت
لاحاصل
حسنہ اور حسن آرا
میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے
ہم کہاں کے سچے تھے
حرف سے لفظ تک
میرے 50 پسندیدہ سین
من و سلویٰ
حاصل
دربار دل
واپسی
سحر ایکستعارہ ہے امر بیلعکس
آب حیات

عمیرہ احمد کے ناول جو ڈرامائی شکل میں مختلف ٹی۔ وی چینلز پر پیش کیے گئے۔

وجود لاریب (۲۰۰۴ء)
ٹی وی ون گلوبل (۲۰۰۹ء)
تھوڑا سا آسماں (۲۰۰۹ء)
مات (۲۰۱۱ء)
دام محبت (۲۰۰۹ء)
میری ذات ذرہ بے نشاں (۲۰۰۹ء)
اڑان (۲۰۱۰ء)
شہر ذات (۲۰۱۲ء)

کنکر (۲۰۱۳ء)　　بے حد (۲۰۱۳ء)

زندگی گلزار ہے (۲۰۱۳ء)　　محبت صبح کا ستارہ ہے (۲۰۱۴ء)

ڈائجسٹ رائٹر (۲۰۱۴ء)

لسانی استعماریت کے اس دور میں افسانوی ادب لکھنے والے معاشرے پر جادوئی اثرات مرتب کر رہے ہیں ۔یہ فکشن لکھنے والے اپنے قاری کو نامعلوم دنیا میں جھانکنے اور اجنبی راہوں پر چلنے کی ترغیب دیتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں سے ان مصنفین نے اپنے پڑھنے والوں اس افسانوی دنیا میں جکڑ رکھا ہے۔مغربی ممالک میں بھی ایسا فکشن شائع ہوتا ہے اور اسے پڑھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔تیسری دنیا کے ممالک کی خواتین بھی ایسا فکشن لکھتی ہیں لیکن انہیں عالمگیر شہرت بہت کم ملتی ہے۔ایسی خواتین فکشن رائٹرز کم ہی ہیں جن کے قلم کا سحر خصوصاً نوجوان نسل کو اپنے سحر میں لے لیتا ہے اور ان کی تخلیقات ہاتھوں ہاتھ بکتی ہیں۔عمیرہ احمد ،بانو قدسیہ ،نمرہ احمد ،عصمت چغتائی کی کہانیاں قاری کے ذہن پر دیرپا اثر چھوڑتی ہیں۔

عمیرہ احمد مقبول عام فکشن لکھتی ہیں اور پاکستان کی نوجوان نسل ان کے ناول بہت شوق سے پڑھتی ہے ۔ادب میں ہمیں دو طرح کے رویے ملتے ہیں جس سے ادب کو ادب عالیہ اور مقبول عام کے درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔خالص تخلیقی ادب بہت کم عوام کی پسند بنتا ہے کیونکہ اس کی سطح بہت اونچی ہوتی ہے اور دانش ور طبقہ ہی اس سے لطف و اندوز ہو سکتا ہے ۔عوامی ادب وہ ہوتا ہے جو عوام میں بہت مقبول ہوتا ہے اور پسند کیا جاتا ہے ۔رومانی ،جاسوسی، سنسنی خیز اور تحیر آموز ادب اس لیے عوام میں مقبول ہوتا ہے کیونکہ نوجوان نسل اس ادب کو شوق اور دلچسپی سے پڑھتی ہے۔

ادب میں خیالات کے اظہار کے لیے الفاظ سے ہی افسانوی دنیا تشکیل دی جاتی ہے ۔جب قاری کا واسطہ کتاب میں موجود الفاظ سے پڑتا ہے تو شعوری اور لاشعوری طور پر بہت سے الفاظ اس کے ذہن پر نقش ہو جاتے ہیں۔وہ افسانوی دنیا کے ان الفاظ کو حقیقی دنیا میں استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔نوآبادیاتی عہد کے ادب میں تو انگریزی الفاظ کے استعمال کی وجوہات کی سمجھ آتی ہیں کیونکہ وہاں انگریزی کے پھیلاؤ کے لیے استعماری اور سامراجی قوتیں موجود تھیں۔نوآبادیاتی عہد کے خاتمے کے باوجود لسانی استعماریت ناقابل فہم ہے۔موجودہ عہد جسے بلاشبہ لسانی استعماریت کا عہد کہا جا سکتا ہے اس میں مقبول عام فکشن میں انگریزی الفاظ کا بے تحاشا استعمال اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم سیاسی اور جغرافیائی آزادی حاصل کرنے کے باوجود ذہنی غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکے اور آج بھی ہم انگریزی زبان سے اتنے ہی متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں جتنے نوآبادیاتی عہد میں تھے۔

دیگر ناول نگاروں کی طرح عمیرہ احمد کے مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال ملتا ہے جس سے اردو زبان اور پاکستانی معاشرے پر کچھ اچھے اثرات مرتب نہیں ہو رہے اس لسانی استعماریت سے نہ صرف انگریز کی زبان بلکہ ان کے ثقافتی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نظریات بھی ہماری نوجوان نسل میں منتقل ہو رہے ہیں جس سے ہماری قوم میں احساس کمتری جنم لے رہا ہے اور ہم زندگی کے ہر شعبے میں ان کے غلام بنتے جا رہے ہیں۔ ہم اپنے مذہب، معاشرتی وقار اور تہذیب کو کمتر سمجھتے ہیں۔ اردو ہماری شناخت ہے اور انگریزی قوم ہماری اس شناخت کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ زبان و ادب پر لسانی استعماریت ہماری تہذیب کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہے۔ پاکستان میں سکول، کالج اور جامعات کے طالب علم مقبول عام فکشن کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور اس فکشن میں موجود نظریات اور زبان سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں۔ مقبول عام فکشن میں انگریزی الفاظ کا استعمال انگریزی زبان کے پھیلاؤ کی ایک اہم وجہ بھی نظر آتی ہے۔

پاکستان میں عمیرہ احمد کے ناولوں میں نوجوان نسل کی دلچسپی کی خاص وجہ ان کی کہانیوں کے موضوعات ،روز مرہ زندگی کے چلتے پھرتے کردار، عصر حاضر کے مسائل کی تصویر کشی اور تصوف کی چاشنی ہے۔ وہ اپنے ناولوں میں صرف مشرقی کردار ہی پیش نہیں کرتیں بلکہ مغربی کردار بھی ان کے ناولوں کی زینت بنتے ہیں۔ ان کے پاس کہانی کہنے کا فن بھی ہے اور منفرد اسلوب بھی۔ عمیرہ احمد کی تحریروں پر مختلف تنقیدی آرا ملتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عمیرہ احمد پاپولر فکشن لکھتی ہیں اور ان کو اس کام کے لیے ایک خاص طبقہ فکر کی حمایت حاصل ہے۔ عمیرہ احمد کو ناول نگار کا درجہ حاصل نہیں وہ محض ایک ڈائجسٹ رائٹر ہیں۔ ان کا اردو ادب پر احسان ہے کہ انھوں نے خاص طور پر نوجوان نسل کو اردو ادب کے مطالعہ کی طرف مائل کیا ہے۔ عمیرہ احمد کی اپنی اردو صرف کمزور نہیں بلکہ خطرناک حد تک کمزور ہے۔ عمیرہ احمد کے ناول محض رومانوی کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ عمیرہ احمد بانو قدسیہ، ممتاز مفتی ،اشفاق احمد اور قدرت اللہ شہاب کے انداز میں نام نہاد تصوف کا پرچار کر رہی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عمیرہ احمد نوجوان نسل کی پسندیدہ ناول نگار ہیں۔ عمیرہ احمد اور دیگر خواتین لکھاریوں نے افسانوں، ڈراموں اور ناولوں کے ذریعے اس تصور کو پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے کہ مثالی خواتین اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو تقدیر کا فیصلہ سمجھتی ہیں اور مرد کے سامنے سر تسلیم کرتی ہیں۔ عورت کی زندگی کا مقصد محض شادی کرنے کے بعد بچے پیدا کرنا ہے۔ حمید شاہد ظفر سید سے ایک مکالمے کے سوال کے جواب میں عمیرہ احمد اور دیگر خواتین ناول نگاروں کے بارے میں کہتے ہیں:

سوال: اردو فکشن میں دوسری اصناف کے مقابلے میں افسانے کو زیادہ پذیرائی ملی۔ کیا اس کی وجہ ہمارے معاشرے

کے اندر ناول پڑھنے کے لیے درکار ارتکاز کا فقدان ہے یا ہمارے ادیب ہی نہیں جم کر لکھ سکے؟

جواب: جمیلہ ہاشمی، خدیجہ مستور، الطاف فاطمہ اور بانو قدسیہ کو کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ بشریٰ رحمٰن، رضیہ بٹ اور عمیرہ احمد نے کیا کم لکھا۔۔۔ بس دیکھنا یہ ہوگا کہ کس نے اس صنف کے تقاضے پورے کیے۔[۶]

ان تنقیدی آرا سے بہت سے سوالات جنم لیتے ہیں کہ کیا عمیرہ احمد ڈائجسٹ رائٹر ہونے کے باجود ایک کامیاب ناول نگار بھی ہیں؟ کیا عمیرہ احمد مخصوص نظریات کا پرچار کر رہی ہیں؟ کیا عمیرہ احمد کا اردو زبان پر عبور نہیں ہے؟ کیا واقعی ان کے ناول اس قابل ہیں کہ وہ نوجوان نسل کو اردو ناول پڑھنے کی طرف راغب کر رہے ہیں؟ کیا ان کے ناولوں میں محض رومانوں کہانیاں ہوتی ہیں؟ کیا ان کے ناولوں میں متصوفانہ جہات موجود ہیں؟ عمیرہ احمد نے کس انداز سے اپنی نثر میں معاشرتی تصویر کشی کی ہے،؟ عمیرہ احمد نے اپنے نالوں میں تقدیر کا کیا تصور پیش کیا ہے؟ کیا انگریزی الفاظ کا استعمال موجودہ دور کے ناول کے اسلوب کی خاصیت ہے؟ کیا عمیرہ احمد نے انگریزی الفاظ کا استعمال قاری کے ذہن میں جگہ بنانے اور پڑھنے والوں کی تعداد بڑھانے کے لیے بطور طریقہ استعمال کیا ہے؟

اردو زبان میں وسیع ذخیرہ الفاظ ہونے کے باوجود عمیرہ احمد نے کیوں کثرت سے اپنے ناولوں میں انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے؟ کیا عمیرہ احمد کے انگریزی الفاظ کے استعمال کے پیچھے نوآبادیاتی پس منظر پوشیدہ ہے؟ عمیرہ احمد کے کثرت سے انگریزی الفاظ کے استعمال سے اردو زبان پر کیسے اثرات مرتب ہوئے؟ کیا انگریزی الفاظ کا ستعمال اپنے مخصوص طرز تحریر کی وجہ سے کرتی ہیں؟ کیا عمیرہ احمد کی نثر پر لسانی استعماریت کے اثرات ہیں؟ عمیرہ الفاظ کے انگریزی الفاظ کے استعمال سے نوجوان نسل کیسے شعوری اور لاشعوری طور اپنی قومی زبان کے استعمال سے لاعلم ہوتی جا رہی ہے؟ عمیرہ احمد پاکستان کی مشہور ناول نگار ہیں اور اس کی نثر میں انگریزی الفاظ کے استعمال کی وجوہات تحقیق طلب ہیں۔

عمیرہ احمد کے مقبول عام ناول میری ذات ذرہ بے نشاں میں انگریزی الفاظ کا استعمال

ناول کے مرکزی کردار:

قاسم عباس	عارفین کا والد
شکیلہ عباس	عارفین کی والدہ

عارفین	ناول کا ہیرو
صبا	ناول کی ہیروئین
کریم	صبا کے والد
صفیہ	صبا کی والدہ
عادل	صبا اور عارفین کا کزن
حیدر	عارفین کا بیٹا
سارہ	صبا کی بیٹی

ناول کے ضمنی کردار:

امین	صبا کا دوسرا شوہر
اقصیٰ	صبا کی بہن
آسیہ	عارفین کی بہن
اسما(ٹریسی)	عارفین کی دوسری بیوی
شجاع	عارفین کا دوست
مایا	حیدر کی دوست
گل، عذرا، عامرہ	سارہ کی دوستیں

اگر علاقائی محل وقوع کے تناظر میں دیکھا جائے تو عمیرہ احمد کا تعلق برطانیہ کی سابقہ نو آبادی سے ہے۔ ۱۴اگست ۱۹۴۷ء تک ہندوستان انگریزی سامراج کے زیر تسلط رہا۔ نو آبادیاتی نظام نے جہاں نو آبادیوں کے سیاسی ،معاشرتی ،اقتصادی اور معاشی نظام کی جڑیں کھوکھلی کیں وہاں ان کی زبان وادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ۔نو آبادیاتی عہد میں جو ادب لکھا گیا اس میں انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔انگریز کے چلے جانے کے باوجود ہم انگریزی زبان کے دلدادہ نظر آتے ہیں اور انگریزی الفاظ کا روز مرہ زندگی میں کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ادب زندگی سے ہی نمو پاتا ہے اور پاکستانی معاشرے میں انگریزی زبان سیکھنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔انگریزی زبان میں تعلیم دینے والے سرکاری، نیم سرکاری اور نجی ادارے اردو زبان پر برے اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ان اداروں سے فارغ التحصیل طالب علم اپنی عملی زندگی میں جو زبان بولتے ہیں ان میں انگریزی الفاظ کا استعمال کثرت سے کرتے

ہیں۔ عمیرہ احمد کا تعلق بھی اسی پاکستانی معاشرے سے ہے جہاں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں لسانی استعماریت کا راج نہ ہو۔ ادب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں روزمرہ زندگی کا عکس نظر آتا ہے اور پاکستانی معاشرے کی روزمرہ زندگی میں جو زبان استعمال ہوتی ہے اس میں انگریزی الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ میری ذات ذرہ بے نشاں عمیرہ احمد کا رومانوی ناول ہے جس کا انجام المناک ہوتا ہے اس ناول میں مرد اور عورت کے رشتے، عورت پر جبر و استحصال، عورت کی عصمت اور محبت اور پاکستان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ ناول کا پلاٹ سادہ ہے اور دلچسپ واقعات پر مبنی ہے۔ جب کہانی کے کڑی سے کڑی ملتی ہے تو دلچسپ اور تجسس پیدا کرنے والے واقعات قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ عمیرہ احمد قاری کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے امید و بیم، حیرت و استعجاب، تذبذب اور تجسس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوئے کہانی کو آگے بڑھاتی ہیں۔

ناول کا آغاز عارفین عباس سے ایک لڑکی سارہ کی ملاقات سے ہوتا ہے جس کی والدہ صبا نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی سارہ سے کہا تھا کہ وہ مرنے کے بعد یہ خط لے کر عارفین کے پاس چلی جائے، اکیلی نہ رہے۔ سارہ جب عارفین عباس کے دراوازے پر دستک دیتی ہے تو وہ چوکیدار دروازہ کھولتا ہے اور وہ خط چوکیدار کو تھماتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ عارفین عباس کو دے دیں۔ جب یہ خط عارفین عباس کے پاس پہنچتا ہے تو اس کے سامنے تلخ ماضی کی کتاب کے ورق کھلنے لگتے ہیں۔ عارفین عباس کا دوڑ کر دروازے کی طرف جانا قاری کے لیے تجسس پیدا کرتا ہے۔ کہانی کا تسلسل اور طوالت برقرار رکھتے ہوئے وہ ماضی کے دریچوں میں جھانکنے لگتا ہے جس سے کے لاشعور میں موجود تلخ یادیں اس کے شعور میں آبستی ہیں۔ اس ناول میں ماضی اور حال کے واقعات کو یکے بعد دیگرے پیش کیا گیا ہے۔

عارفین سارہ کو اپنے گھر رہنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ سارہ کے گھر رہنے پر عارفین کا بیٹا حیدر اس سے پوچھتا ہے کہ سارہ کون ہے؟۔ عارفین اسے مختصر سا جواب دیتا ہے کہ سارہ صبا کی بیٹی ہے اور اب وہ ہمارے ساتھ رہیں گی۔ اس کے بعد ناول نگار عارفین اور صبا کے رشتے اور ان کے خاندان کے گزرے ہوئے واقعات کو پیش کرتی ہیں۔ صبا عارفین کی چچازاد تھیں۔ صبا کے دو بھائی اور ایک بہن تھیں اور صبا سب سے بڑی تھیں۔ عارفین اپنی تینوں بہنوں سے چھوٹے اور اکلوتے تھے۔ عارفین کے ابو کے سب بھائی ایک ہی گھر میں رہتے تھے چاروں گھروں کے درمیان ایک وسیع صحن مشترک تھا۔ عارفین ان دنوں لندن سکول آف اکنامکس میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور عمر میں صبا سے پانچ سال بڑا تھا۔ اس کی صبا سے ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے پاکستان آیا تھا۔ صبا ایک روشن خیال لڑکی تھی اور اس کی یہی روشن خیالی اس کے خاندان خصوصاً اس کے تایا جان اور تائی جان کو پسند نہیں تھی۔ صبا میٹرک کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی تھی مگر اس کے خاندان کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ صبا سب کی مخالفت کے

باجود ایف۔اے میں داخلہ لے لیتی ہے۔صبا کی روشن خیالی اور حصول تعلیم کی ضد ہی اسے خاندان بھر کی نظروں میں رسوا کر دیتی ہے۔

عارفین صبا کے اس فیصلے کو سراہتا ہے اور اس کے حق میں آواز بلند کرتا ہے۔انہیں حالات میں عارفین صبا سے شادی کا ارادہ ظاہر کرتا ہے جو عارفین اور اس کی بہنوں پر بجلی گرنے سے کم نہیں ہوتا۔عارفین کی ماں صبا کی نفرت میں اسے رسوائے زمانہ لڑکی کہتی ہیں۔عارفین کی ضد کے سامنے اس کے والدین کو ہار ماننا پڑتی ہے۔انھوں نے عارفین اور صبا کا سادگی سے نکاح تو کر دیا مگر ان کی صبا کے لیے نفرت کم نہ ہوئی۔صبا ایف۔اے کرنے کے بعد یونی ورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے تو خاندان میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔عارفین نکاح کے بعد فرانس جا چکا تھا۔شکیلہ عباس یعنی صبا کی ساس نے خط و کتابت کے ذریعے عارفین کو بھڑکانا شروع کر دیا مگر عارفین کو صبا کے یونی ورسٹی میں داخلہ لینے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔انھی دنوں گھر میں سرمد کی شادی کا ہنگامہ تھا۔سرمد کا شادی کے ہنگاموں میں صبا کی شادی تاریکی میں ڈوب جائے گی اس بات کا اندازہ شاید صبا کو بھی نہیں تھا۔ناول میں صبا کی مستقبل کی خوشیاں اس کی تائی کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔تائی صبا کے خلاف سازش کرتی ہیں اور اس پر بد چلنی کا بہتان لگا دیتی ہیں اور خاندان میں کوئی بھی صبا کی پارسائی اور پاکیزگی پر یقین نہیں کرتا۔وہ صبا کو مارتی پیٹتی ہیں اور رسوا کر کے گھر سے نکال دیتی ہیں۔

اس واقعہ کے بعد صبا کو یقین ہوتا ہے کہ عارفین ضرور اس کی بات پر یقین کر لے گا۔یہ ناول کی کہانی میں وہ موڑ ہے جس پر صبا کی زندگی ایک نئی ڈگر پر چلنا شروع ہو جاتی ہے۔صبا اور اپنی امی کے درمیان اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے جذباتی ہو کر قرآن پاک لے آتا ہے اور صبا سے کہتا ہے کہ وہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر اپنی پارسائی کی قسم کھائے۔صبا اس بات پر تکرار کرتی ہے کہ پہلے تائی قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے کہ انھوں نے غلط بیانی کی ہے۔یہاں پر کہانی میں تجسس اپنے عروج پر ہوتا ہے کہ کون جھوٹا ثابت ہو گا اور کون سچا۔صبا کی تائی کو ذرا خوف نہیں آتا اور وہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتی ہیں کہ انھوں نے صبا پر کوئی بہتان نہیں لگایا بلکہ یہ حقیقت ہے۔صبا اس جھوٹ پر ششدر رہ جاتی ہے اور کتاب مقدس کا احترام کرتے ہوئے اس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے سے انکار کر دیتی ہے۔عارفین صبا کو جھوٹا سمجھتا ہے اور اسے طلاق دے دیتا ہے۔ناول کا ایک اہم موضوع مکافات عمل بھی ہے۔تائی کے مکافات عمل کے نتیجے میں اس کی ایک بیٹی کو طلاق ہو جاتی ہے اور دوسری کا شوہر وفات پا جاتا ہے۔یہ رب العزت کا اصول ہے کہ وہ اپنے بندے سے ہونے والی زیادتی کو کبھی بھی معاف نہیں کرتا۔

جب عارفین کی ماں کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوتی ہیں اور موت سے جنگ لڑ رہی ہوتی ہیں تو وہ عارفین کو سچ بتا دیتی ہیں۔ وہ عارفین سے التجائیں کرتی ہیں کہ کہیں سے صبا کو ڈھونڈ لاؤ کیونکہ وہ اس سے معافی مانگنا چاہتی ہیں۔ صبا کے والدین بیٹی کی رسوائی اور بدنامی سے بچنے کے لیے امریکہ مستقل رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔ عارفین فرانس جا کر شادی کر لیتا ہے۔ وہ غیر ملکی لڑکی سے شادی کرتا ہے جو مسلمان ہونے کے بعد اپنا نام اسمار کھ لیتی ہے۔ سچ سامنے آنے پر عارفین دوبارہ صبا کو شادی کی پیش کش کرتا ہے مگر صبا انکار کر دیتی ہے۔ صبا مشکلات سے بھری زندگی بسر کرتی ہے۔ حیدر عارفین کا بیٹا ہوتا ہے۔ سارہ کو صبا اور عارفین کی زندگی کی ان تلخ حقیقتوں کو جان کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ سارہ کی شادی حیدر سے ہو جاتی ہے۔ ناول نگار نے ماضی اور حال کا تانا بانا نہایت مربوط انداز میں بنا ہے۔ ناول کا ایک موضوع یہ بھی نظر آتا ہے کہ نفرت کی بنیاد پر قائم ہونے والے رشتے پائیدار نہیں ہوتے۔ انہیں حسد اور قدورتوں کی دیمک چاٹ جاتی ہے۔

پاکستان کے سماج میں جو ادب تخلیق ہو رہا ہے بالخصوص اردو ادب میں انگریزی الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ عمیرہ احمد نے اپنے ناول میں میری ذات ذرہ بے نشاں میں بہت زیادہ انگریزی الفاظ کا ستعمال کیا ہے۔ عمیرہ اپنے اس ناول میں انگریزی زبان کے الفاظ کو مختلف انداز سے ناول کے متن کا حصہ بناتی ہیں جس میں وہ انگریزی الفاظ کو انگریزی زبان میں نہیں بلکہ اردو زبان میں لکھتی ہیں البتہ کہیں کہیں انگریزی زبان میں بھی لکھتی ہیں ۔اس ناول کے اسلوب کی یہ خوبی ہے کہ وہ پاکستانی سماج کی عام روز مرہ زندگی کی زبان میں ناول کی کہانی بیان کرتی ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں جو اردو اور پنجابی زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں بہت زیادہ انگریزی زبان کے الفاظ شامل ہیں۔ میری ذات ذرہ بے نشاں میں ایسی ہی اردو زبان پڑھنے کو ملتی ہے جس میں انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ شامل ہیں۔ اس ناول سے اقتباس درج ذیل ہے جس میں عام بولی جانی والی اردو زبان کا عکس نظر آتا ہے:

> "عارفین کی بڑی بہن نے نیچے جا کر اپنے باپ کو سب کچھ اسی طرح بتا دیا تھا جس طرح تائی امی کہہ رہی تھیں ۔وہ آگ بگولا ہو کر اوپر آئے تھے۔ تائی نے انہیں دیکھتے ہی اپنی بین اور دہائیوں کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا ۔صبا کو دیکھتے ہی وہ آپے سے باہر ہو گئے۔" [۷]

عمیرہ احمد میری ذات ذرہ بے نشاں میں بہت سے انگریزی الفاظ کو ترجمہ کرنے کی بجائے بلاواسطہ لکھ دیتی ہیں۔ ناول میں ایسے بہت سے جملے موجود ہیں جن میں انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ جملے درج ذیل ہیں۔

ا۔ بیل بجانے پر ایک لمبا تڑنگا چوکیدار نمودار ہوا۔[۸]

۲۔ آپ کی فیملی کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟۹

۳۔ اس نے کار کی رنگ ہلاتے ہوئے اپنا پروگرام بتایا تھا۔۱۰

۴۔ قد آدم کھڑکیوں میں سے باہر کا وسیع لان اپنی پوری خوبصورتی سے نظر آرہا تھا۔۱۱

۵۔ ابھی اس نے اپنا کپ ہاتھ میں لے لیا تھا۔۱۲

۶۔ سارہ نے ان کے اصرار پر جاب چھوڑ دی تھی۔۱۳

۷۔ حیدر بھی لنچ کرنے گھر نہیں آتا۔۱۴

۸۔ سارہ نے بے اختیار پین کی طرف دیکھا تھا۔۱۵

۹۔ عارفین انکل!۱۶

۱۰۔ باقی کزنز کے ساتھ بیٹھی وہ بھی تالیاں بجاتی۔۱۷

۱۱۔ بہر حال آئی ایم سوری۔۱۸

۱۲۔ سبجیکٹس کون سے تھے آپ کے؟۱۹

۱۳۔ اس کا موڈ یکدم خراب ہو گیا تھا۔۲۰

۱۴۔ آنٹی میں آنا چاہتی تھی۔۲۱

۱۵۔ پاپا ناراض ہو رہے تھے۔۲۲

۱۶۔ سارہ کے جانے کی وجہ سے ٹینشن کا شکار ہیں۔۲۳

۱۷۔ آپ کو ڈنر کی دعوت دی ہے۔۲۴

۱۸۔ تھینک یو۔۲۵

۱۹۔ اپنی فیملی کے ساتھ بلوالیا ہے۔۲۶

۲۰۔ نیچے کی دو منزلوں پر بھی صرف آفس ہیں۔۲۷

۲۱۔ گارڈز نے ان سے کہا تھا۔۲۸

۲۲۔ اس عمارت کا ایک عقبی گیٹ بھی ہے۔۲۹

۲۳۔ گل آئینہ ہاتھ میں لیے تیزی سے ہونٹوں پر لپس اسٹک لگا رہی تھی۔۳۰

۲۴۔ اسے ہاسٹل میں آئے تیسرا دن تھا۔۳۱

۲۵۔ اس کا بیگ اسی کے پاس تھا۔۳۲

۲۶۔ وہ دونوں کمرے کی لائٹ بند کر کے ایک بار پھر بستر میں جا چکی تھی۔۳۳

۲۷۔ ہیلو کیسی ہو سارہ؟۳۴

۲۸۔ وہ اسے چیلنج کر رہا تھا۔۳۵

محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا شمار تیسری دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں برطانیہ اور دیگر یورپی اقوام نے راج کیا ہے۔ براج بہاری کچرو کے مطابق یورپ کی سابقہ نو آبادیاں بھی انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ انگریز قوم کے جانے کے باوجود بھی انگریزی زبان کا راج بدستور قائم ہے۔ یہ مابعد نو آبادیاتی عہد کے باشندے آج بھی اپنی قومی اور مقامی زبانوں کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ مقامی زبانوں میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال اور انگریزی زبان کو سیکھنا ان میں احساس برتری کو پیدا کرتا ہے پاکستان میں ابتدائی جماعتوں سے بی۔اے کی سطح تک انگریزی زبان کو لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ انگریزی زبان کے مقابلے میں اردو کی تدریس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔ نجی تعلیمی اداروں کے قیام سے اردو زبان کے استعمال کا دائرہ محدود ہو جائے گا کیونکہ ان اداروں میں طلبہ تدریسی سرگرمیوں کے علاوہ آپس میں گفتگو بھی انگریزی زبان میں کرتے ہیں۔

اگر پاکستانی معاشرے کی روزمرہ زبان کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ ہم لوگ بات کرتے وقت یا لکھتے وقت بہت سے انگریزی الفاظ کا استعمال کر جاتے ہیں جو اردو زبان میں کلام و تحریر کو بدصورت بنا دیتے ہیں۔ بعض اوقات تو انگریزی الفاظ کا یہ استعمال بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عمیرہ احمد کا تعلق بھی اسی پاکستانی معاشرے سے ہے جہاں آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں لوگ انگریزی الفاظ کا استعمال اسی انداز میں کرتے نظر آتے ہیں اور ناول پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عمیرہ نے پاکستانی معاشرے کی روزمرہ

زبان سے ناول کا متن تخلیق کیا ہے۔ان کے ناول میری ذات ذرہ بے نشاں کے کردار انگریزی الفاظ کا استعمال بالکل اسی طرح کرتے ہیں جیسے پاکستانی معاشرے کے عام کردار کرتے ہیں۔

میری ذات ذرہ بے نشاں کے تمام کردار آپس میں اردو زبان میں بات کرتے ہیں مگر ان کی روزمرہ بول چال میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔ عمیرہ احمد بھی اپنے عہد کے دیگر ناول نگاروں کی طرح اپنے ناولوں میں انگریزی الفاظ کا من و عن اور بے دریغ استعمال کرتی ہیں جس سے بعض اوقات اردو دان طبقے کو کس قدر ناموزونیت اور مایوسی کا احساس ہوتا ہے۔ تحقیقی مقالے کے متن میں اوپر میری ذات ذرہ بے نشاں سے دی گئی مثالوں میں ایسے انگریزی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جن کے بہترین اردو زبان میں مترادفات موجود ہیں۔ مثالوں یہ سے یہ الفاظ درج ذیل ہیں:

بیل	فیملی	پروگرام	لان	کپ
جاب	لنچ	پین	انکل	کزنز
آئی ایم سوری	سبجیکٹس	موڈ	آنٹی	پاپا
ٹینشن	ڈنر	تھینک یو	فیملی	آفس
گارڈز	گیٹ	لپ اسٹک	ہاسٹل	ہیلو
بیگ	لائٹ	چیلنج		

درج ذیل الفاظ ایسے ہیں جو کہ پاکستانی معاشرے کی روزمرہ زندگی میں عام استعمال ہوتے ہیں حالانکہ ان الفاظ کے بہترین اردو مترادفات موجود ہیں۔اس طرح کے انگریزی الفاظ کے استعمال سے اردو زبان کا لسانی مزاج متاثر اور مجروح ہو رہا ہے۔اردو زبان کی شیرینی، موسیقیت اور دلکشی اس کی فصاحت و بلاغت میں پوشیدہ ہے جو انگریزی الفاظ کی بہتات کی وجہ سے مسخ ہو رہی ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ان الفاظ کے اردو مترادفات کی کمی کو محسوس نہ کیا جائے ۔انگریزی الفاظ کے بے تحاشہ استعمال اور ان کے مترادفات کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے۔اگر مندرجہ بالا الفاظ کے استعمال کا تجزیہ کیا جائے تو پہلے انگریزی لفظ فیملی لیجیے جو اردو میں لفظ خاندان ،اہل و عیال اور کنبے کے مترادف ہے ۔یورپی ممالک میں لفظ فیملی ایک مخصوص خاندانی اکائی کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ پاکستان میں فیملی لفظ کے برعکس خاندان کا لفظ انسانی رشتوں کے ایک وسیع اور مربوط نظام کو پیش کرتا ہے۔ عمیرہ احمد جب اپنی فکشن میں فیملی کا بہترین اردو مترادف ہونے کے باوجود انگریزی لفظ فیملی استعمال کرتی ہیں تو اس سے معنوی تفہیم نہیں ہوتی اور قاری یہی سمجھنے لگتا ہے کہ یورپ اور پاکستان میں خاندانی نظام ایک جیسا ہی ہے۔

انگریزی زبان کے الفاظ آئی ایم سوری، تھینک یو اور ہیلو ایسے الفاظ ہیں جن کے بہترین مترادفات اردو زبان میں موجود ہیں۔ان الفاظ کا عمیرہ احمد کی فکشن میں استعمال لسانی استعماریت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اردو الفاظ کی موجودگی میں ہم ان الفاظ کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ان الفاظ کو پاکستانی معاشرے میں پھیلانے میں مقبول عام فکشن کے لکھاری اور پاکستانی میڈیا بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔میڈیا پر جو پاکستانی ڈرامے پیش کیے جاتے ہیں ان میں بھی ان الفاظ کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔انسانی ذہن قدرت کا انمول عطیہ ہے۔جہاں انسانی ذہن اپنے گردوہ نواح سے ہر طرح کے اثرات کو قبول کرتا ہے وہاں معاشرے کے پیش منظر اور پس منظر کی زبان بھی اس پر انمٹ نقوش چھوڑتی ہے۔مقبول عام فکشن پڑھنے والے قاری اور میڈیا پر ڈرامے دیکھنے والے سامعین ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں جس سے یہ الفاظ استعمال کے منظر نامے سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔عمیرہ احمد میریذات زرہ بے نشاں میں آئی ایم سوری کی جگہ مجھے افسوس ہے اور تھینک یو کی جگہ آپ کا شکریہ کے اصطلاحات بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

اس لسانی استعماریت کا اثر ہماری اسلامی تہذیب و ثقافت کی جڑیں بھی کھوکھلی کر رہا ہے۔اسلامی اقدار کی اپنی ایک خوبصورتی اور مٹھاس ہے جو زبان کے اظہار میں بھی پوشیدہ ہے۔اسلامی اقدار کے مطابق جب دو یا دو سے زیادہ لوگ آپس میں ملیں تو اسلام علیکم کہیں جس کا مطلب ہے کہ آپ پر سلامتی ہو۔یہ ایک دعا بھی ہے جو آپ کسی سے بھی ملاقات کے وقت مسلمان کے ہونٹوں کی زینت بنتی ہے۔ہماری قوم پر تو انگریز قوم کی نقل کا بھوت سوار ہے اور ہم اپنی ذہنی غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔یہ اسی غلامی کا نتیجہ ہے کہ ہم آج بھی نئے سامراجی آقاؤں کی زبان کے استعمال میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اسلام علیکم کہنے کی بجائے ہیلو کہنے کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ انگریزی لفظ ہیلو(Hello)کا مطلب جہنمی ہے اور کسی کو جہنمی کہنا اسلامی ضابطہ حیات میں کہیں بھی جائز نہیں۔یہ اسلامی اقدار اور اپنی زبان سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ہم بغیر کسی جواز اور تحقیق کے انگریزی الفاظ کا بے دریغ استعمال کر رہے ہیں۔اسی طرح لنچ اور ڈنر کے الفاظ ہماری روزمرہ بول چال کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔سکول، کالج اور جامعات کے طالب علم ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ ان الفاظ کا استعمال اپنے تعلیمی اداروں سے ہی سیکھتے ہیں۔

اوپر دی گئی الفاظ کی فہرست میں وہ الفاظ شامل ہیں جو ہماری زبان میں داخل ہو چکے ہیں اور ہماری موجودہ نسل ان کے مترادفات سے قطعی طور پر لاعلم نظر آتی ہے۔ایسا تو ممکن نہیں کہ عمیرہ احمد کے پاس موجود اپنی قومی زبان کی ذخیرہ الفاظ میں یہ الفاظ موجود نہ ہوں۔ان الفاظ کے استعمال کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان الفاظ کو اپنی فکشن میں

شعوری اور لاشعوری طور پر استعمال کر رہی ہیں کیونکہ ان کے شعور اور لاشعور میں پاکستانی معاشرہ سانسیں لیتا ہے اور کوئی بھی ادبی تخلیق کسی حد تک شعور اور لاشعور کا حاصل بھی ہوتی ہے۔

انگریزی زبان کو پاکستان میں ثانوی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ پاکستان میں انگریزی زبان میں بھی ادب تخلیق ہو رہا ہے اور اردو کی تخلیقی ادب میں بھی انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ہو رہا ہے۔ عمیرہ احمد اپنے متن میں انگریزی الفاظ کو منتقل کرنے کے لیے کوڈ مکسنگ کا طریقہ بھی استعمال کرتی ہیں۔ براج بہاری کچرو کے مطابق مصنف انگریزی الفاظ کو مقامی زبان کے متن میں استعمال کرتا ہے۔ کوڈ مکسنگ کی جسے کچرو کوڈ شفٹنگ بھی کہتا ہے، بہت سی مثالیں میری ذات ذرہ بے نشاں میں موجود ہیں۔ وہ کوڈ شفٹنگ کے ذریعے انگریزی الفاظ کو جملوں کا حصہ اس طرز تحریر سے بناتی ہیں:

۱۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے انھوں نے جواب دیا۔[۳۶]

۲۔ انھوں نے گاڑی ریورس کرتے ہوئے پوچھا تھا۔[۳۷]

۳۔ بس اتنا کہ ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔[۳۸]

۴۔ وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر باتھ روم میں چلی آئی۔[۳۹]

۵۔ وہ کچھ نروس سی کرسی پر بیٹھ گئی۔[۴۰]

۶۔ شاید وہ صرف مجھے کمپنی دینے کے لیے کھانا کھانے بیٹھے تھے۔[۴۱]

۷۔ انھوں نے وارڈروب کھولی تھی۔[۴۲]

۸۔ اس نے یونی ورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔[۴۳]

۹۔ خیر میں نے ایکسکیوز کرنے کو تو نہیں کہا۔[۴۴]

۱۰۔ حیدر نے سویٹ ڈش کھاتے ہوئے اسے کہا تھا۔[۴۵]

۱۱۔ کوالیفیکیشن کیا ہے آپ کی؟[۴۶]

۱۲۔ انھوں نے تو میری اتنی انسلٹ کی ہے۔[۴۷]

۱۳۔ ٹریسی نے فوراً اس کا پروپوزل قبول کر لیا تھا۔۴۸

۱۴۔ اب ہم سارہ کو سپورٹ کر سکتے ہیں۔۴۹

۱۵۔ ڈاکٹر کہتے ہیں چیخنے چلانے سے انسان کا کتھارسس ہو جاتا ہے۔۵۰

کوڈمکسنگ ایک ایسا عمل ہے جس میں ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ عمیرہ احمد نے مندرجہ بالا جملوں میں کوڈمکسنگ کے ذریعے درج ذیل انگریزی زبان کے الفاظ اسٹارٹ، ریورس، ڈیتھ، باتھ روم، نروس، کمپنی، وارڈروب، یونی ورسٹی، ایکسکیوز، سویٹ ڈش، کوالیفیکیشن، انسلٹ، پروپوزل، سپورٹ اور کتھارسس کو جملوں میں استعمال کیا ہے۔ کوڈمکسنگ سے کسی بھی زبان پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اس سے مقامی زبان کے الفاظ آہستہ آہستہ زبان کے منظر نامے سے غائب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ کوڈمکسنگ میں ملک کا دانشور، تعلیم یافتہ اور اشرافیہ طبقہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ میری ذات ذرہ بے نشاں میں عمیرہ احمد کے کردار جو انگریزی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں وہ اسی اشرافیہ طبقے کی پیداوار ہیں۔ زبان سیکھنے میں کوڈمکسنگ کا عمل فعال کردار ادا کرتا ہے۔ اردو زبان میں کوڈمکسنگ کا عمل تیزی سے جاری ہے اور اس میں مقبول عام فکشن کا بھی عمل دخل شامل ہے۔ جب کوڈمکسڈ زبان قارئین کے سامنے آتی ہے تو وہ شعوری اور لاشعوری طور پر انگریزی زبان کے الفاظ کو سیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ الفاظ سیکھ جاتے ہیں بلکہ وہ اسے اپنی عام بول چال کی زبان میں استعمال بھی کرتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک آج بھی اپنی زبانوں کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔

عمیرہ احمد ناول میں بہت سے ایسے الفاظ کا استعمال بھی کرتی ہیں جن کا وہ ترجمہ کرنے کی بجائے انہیں بلاواسطہ لکھ دیتی ہیں۔ ان الفاظ کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ چاہو تو اپنی سٹڈیز کا سلسلہ دوبارہ شروع کر سکتی ہو۔۵۱

۲۔ تین سال پہلے اس کی ڈیتھ ہو گئی۔۵۲

۳۔ سارہ نے ان کے اصرار پر جاب چھوڑ دی۔۵۳

۴۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو لان میں پھرنے کا شوق دن کے وقت پورا کر لیں۔۵۴

۵۔ اس لیے مجھے ان کے گھر کی سکیورٹی کی پرواہ ہے۔۵۵

۶۔ بہر حال آئی ایم سوری۔۵۶

۷۔ وہ ایک جگہ کپڑوں کی کٹنگ اور سلائی کا کورس کرنا چاہتی تھی۔۵۷

۸۔ چھوٹی پھوپھو کو ڈائیوورس ہو گئی تھی۔۵۸

۹۔ اسے معلوم تھا کہ سارہ کے جانے کی وجہ سے ٹینشن کا شکار ہیں۔۵۹

۱۰۔ اس میں پرابلم کیا ہے؟۶۰

۱۱۔ تھینک یو حیدر۔۶۱

مندرجہ بالا جملوں میں عمیرہ احمد نے جن انگریزی الفاظ کا بلاواسطہ استعمال کیا ہے وہ ان کی جگہ پر ان کا اردو ترجمہ بھی لکھ سکتی تھیں۔ وہ اسٹڈیز کی جگہ تعلیم، ڈیتھ کی جگہ وفات، جاب کی جگہ ملازمت، مائنڈ نہ کریں کی جگہ برا نہ منائیں، سیکورٹی کی جگہ حفاظت، آئی ایم سوری کی جگہ مجھے افسوس ہے، کٹنگ کی جگہ کٹائی، ڈائیوورس کی جگہ طلاق، ٹینشن کی جگہ پریشانی، پرابلم کی جگہ مسئلہ اور تھینک یو کی جگہ آپ کا شکریہ کے الفاظ استعمال کر سکتی تھیں۔ انھوں نے ان الفاظ کو اپنی نثر میں بلاواسطہ استعمال کیا ہے حالانکہ ان الفاظ کا اردو ترجمہ جملوں میں زیادہ شرینی اور موسیقیت پیدا کرتا ہے۔ یہ خیال بھی عام پایا جاتا ہے کہ اردو میں دخیل الفاظ اردو کا حصہ بن جاتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے کہ انگریزی الفاظ محض اردو زبان میں لکھنے سے اردو کا حصہ بن جائیں۔ فکشن میں ان الفاظ کے استعمال سے انگریزی آمیز اردو بولنے کا چلن عام ہو رہا ہے۔ ہماری قومی زبان ہماری قومی شناخت کی علامت ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زبان کو اہمیت دیں۔ پاکستانی معاشرے میں اردو میں انگریزی الفاظ کے استعمال کے رجحان کی بڑی وجہ سہل پسندی ہے نیز معنی و مفاہیم کا تنوع بھی حائل ہے۔ ہماری قوم اور تیسری دنیا کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج بھی ہم مغربی تہذیب و ثقافت سے مرعوب ہیں۔ بہت سے پاکستانی عام زندگی کے معاملات میں مغربی اقوام کے طرز زندگی کو اپناتے ہیں اور اپنے احساس برتری کو ظاہر کرنے کے لیے انگریزی زبان بولتے ہیں یا اردو میں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ رجحان بھی عام ہو رہا ہے کہ اردو میں بات کریں تو رعب نہیں پڑتا مگر انگریزی میں بات کرنے سے رعب پڑتا ہے تو پھر کیا یہ قوم کی مغلوبیت اور ذہنی غلامی کی علامت نہیں۔ مندرجہ بالا جملوں میں انگریزی الفاظ کا استعمال اسی ذہنی غلامی میں متشکل ہوتا ہے۔ تیسری دنیا میں ذہنی غلامی کا یہ حال نظر آتا ہے کہ ان کی کوئی مادری زبان نہیں ہے اور وہ غالب قوم کی زبان کو مکمل طور پر اپنا نہیں سکے اور وہ اپنی مادری زبان کو چھوڑ بھی نہیں

سکے۔ یہ احساس تفخر بھی ان میں نظر آتا ہے کہ ہم نے اپنی مادری زبان انگریزی بنالی ہے۔ ایسی صورت حال پاکستان میں بھی نظر آتی ہے۔ یہ سب لسانی استعماریت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم غالب اقوام کی ہر چیز کا اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں۔ ہماری دیسی چیزیں کچرے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دیگر تیسری دنیا کے ممالک کی طرح پاکستانی معاشرے میں یہ سوچ عام پائی جاتی ہے کہ ہماری ترقی کا انحصار انگریزی زبان سیکھنے پر ہے کیونکہ اسی زبان میں علم کے جو خزانے ہیں وہ اردو زبان میں نہیں ہیں۔ لسانی استعماریت کو تقویت دینے میں مقبول عام فکشن کا بھی اہم کردار نظر آتا ہے۔ جیسے کہ عمیرہ احمد اپنی فکشن میں جو انگریزی الفاظ کا استعمال کرتی ہیں وہ نوجوان نسل کو شعوری اور لاشعوری طور پر اپنی روز مرہ گفتگو میں استعمال کرنا شروع کر دیتی ہے۔ مقبول عام فکشن کے مطالعے سے ان کی عادات اور زبان پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

عمیرہ احمد نے میری ذات ذرہ بے نشاں میں بہت سے مرکب انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کا استعمال بھی کیا ہے۔ وہ ان مرکب الفاظ کا ترجمہ نہیں کرتیں بلکہ انہیں بلاواسطہ ناول کے متن کا حصہ بنا دیتی ہیں۔ ایسے الفاظ کی مثالیں ان جملوں میں دیکھی جاسکتی ہیں:

۱۔ پاکستان آکر سٹی بینک جوائن کر لیا۔ ۶۲

۲۔ پچاس پچپن سال کا ریکارڈ ایک دراز قد آدمی تھری پیس سوٹ میں اس کے سامنے موجود تھا۔ ۶۳

۳۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد انھوں نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ ۶۴

۴۔ ایلس ان ونڈر لینڈ۔ ۶۵

۵۔ وہ ڈرائینگ ٹیبل پر سب سے سادہ چیز ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگی۔ ۶۶

۶۔ جہاں وہ ریڈی میڈ کپڑوں کی پیکنگ کیا کرتی تھیں۔ ۶۷

۷۔ لائٹ آف کرنے سے پہلے وہ کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے کے لیے کھڑکی کی طرف آیا تھا۔ ۶۸

۸۔ آج میں نے آپ کو فیکٹری ایریا میں دیکھا تھا۔ ۶۹

۹۔ تم آفس جاتے ہوئے اسے چھوڑ آنا اور لنچ آور میں اسے گھر چھوڑ جانا۔ ۷۰

۱۰۔ عارفین عباس خود ہی پروگرام سیٹ کر رہا تھا۔ ۷۱

۱۱۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسٹڈی ٹیبل پر آگئی۔[۷۲]

۱۲۔ مجھے اپنا کیریر بنانا ہے اور ٹاپ بینکر بننا ہے۔[۷۳]

۱۳۔ کچھ عرصہ انٹرن شپ کے تحت ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا رہا۔[۷۴]

۱۴۔ یہاں آکر اسے شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔[۷۵]

۱۵۔ اس وجہ سے اسے ہاسپٹل ایڈمٹ کروانا چاہتا تھا۔[۷۶]

۱۶۔ وہ گریجوایشن تک فرنچ کو ایک آپشنل سبجیکٹ کے طور پر پڑتی رہی۔[۷۷]

دو یا دو سے زیادہ بامعنی الفاظ کے مجموعے کو مرکب الفاظ کہا جاتا ہے جیسے ٹوتھ برش، کار پارک، بلیک بورڈ، سپر نیچرل، واٹر میلن، فرینڈ شپ، واٹر پروف اور ہوم ورک مرکب الفاظ کی مثالیں ہیں۔ عمیرہ احمد نے جہاں واحد انگریزی الفاظ کا استعمال کیا وہاں بہت سے جملوں میں انگریزی کے مرکب الفاظ اور اصطلاحات کا استعمال بھی ملتا ہے۔ ان میں بہت سے مرکب الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے متبادل اردو الفاظ موجود نہیں ہیں۔ اوپر دیے گئے جملوں میں تھری پیس سوٹ، فرنٹ سیٹ، ڈرائینگ ٹیبل، ریڈی میڈ، لائٹ آف، فیکٹری ایریا، لنچ آور، پروگرام سیٹ، اسٹڈی ٹیبل، ٹاپ بینکر، ہاسپٹل ایڈمٹ، آپشنل سبجیکٹ وغیرہ ہیں۔ جب کوئی بھی تخلیق کار اپنے متن میں مرکب الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو ان کے استعمال سے اس کا مقصد اپنی تخلیق میں دلچسپی کا عنصر پیدا کرنا ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں مرکب الفاظ کی تین اقسام ہیں:

کلوز کمپاؤنڈ ورڈز (Closed Compound Words)

اوپن کمپاؤنڈ ورڈز (Open Compound Words)

ہائیفنیٹڈ کمپاؤنڈ ورڈز (Hyphenated Compound Words)

کلوزڈ کمپاؤنڈ ورڈز میں الفاظ کے درمیان خالی جگہ نہیں ہوتی جیسے Football اور Peanut۔ اوپن کمپاؤنڈ ورڈز میں الفاظ کے درمیان خالی جگہ ہوتی ہے جیسے Cell Phone اور High School۔ ہائفنیٹڈ کمپاؤنڈ ورڈز میں الفاظ کے درمیان ایک مختصر وقفے کی علامت ہوتی ہے۔ ان کی مثالیں Clean-cut, Close-up, One-Sided, One-Site وغیرہ ہیں۔ عمیرہ احمد نے میری ذات ذرہ بے نشاں میں زیادہ تر اوپن کمپاؤنڈ ورڈز کا استعمال کیا ہے۔ انھوں نے ایسے انگریزی مرکب الفاظ کا استعمال

کیا ہے جو عام طور پر پاکستان میں تعلیم یافتہ اور کاروباری افراد استعمال کرتے ہیں۔ یہ مرکب الفاظ ہماری روز مرہ زبان کا حصہ بنتے جارہے ہیں جس سے اردو زبان پر کچھ خاص اچھے اثرات مرتب نہیں ہو رہے۔ لسانی استعماریت کے اس عہد میں مقبول عام فکشن میں انگریزی الفاظ کے استعمال سے اور مرکب انگریزی الفاظ کے استعمال سے بالخصوص نوجوان نسل اپنی قومی زبان کا استعمال بھولتی جارہی ہے۔ ہمارے ماہر لسانیات بھی لسانی استعماریت کو تقویت دے رہے ہیں کیونکہ بہت سے انگریزی زبان کے مرکب الفاظ ایسے ہیں جن کے متبادل الفاظ اردو زبان میں موجود نہیں ہیں ۔اردو زبان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس میں نئے الفاظ کی ایک نئی دنیا تخلیق کی جاسکے مگر کوئی تسلی بخش صورت حال نظر نہیں آرہی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی زبان دنیا کی تمام زبانوں پر راج کر رہی ہے۔

عمیرہ احمد کا ناول میری ذات ذرہ بے نشاں کے مطالعے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی لسانی استعماریت کے عہد میں سانسیں لے رہی ہیں۔ میری ذات ذرہ بے نشاں کے کرداروں کی زبان عام پاکستانی معاشرے کی زبان ہے۔ مغربی ممالک میں قیام کا رجحان بھی ناول کا ایک اہم موضوع ہے۔ پاکستانی تعلیم اور آسائشوں کے لیے مغربی ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہت کم پاکستانی واپس اپنی مادر وطن میں قیام کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں مغربی ممالک کی سیکولر اور آزاد فضائیں اپنے سحر میں لے لیتی ہیں۔ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو گھٹیا اور فرسودہ سمجھنے لگتے ہیں۔ ناول میں مشرقی اور مغربی تہذیب و ثقافت کا موازنہ بھی کیا گیا ہے۔ ناول نگار نے پاکستانی معاشرے کی روایت پسندی پر بھی تنقیدی نظر ڈالی ہے۔

عمیرہ احمد نے ناول میری ذات ذرہ بے نشاں میں جملے کی ساخت کو مد نظر رکھتے ہوئے چست اور چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کیے ہیں۔ کہانی میں انگریزی الفاظ اور جملوں سے ایک خاص تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک میں لسانی استعماریت نئے استعمار کو جنم دے رہی ہے جس وجہ سے تمام ثقافتی رشتے طاقت کے رشتوں میں بدل رہے ہیں۔ لسانی استعماریت سے مغربی استعمار تیسری دنیا کی اقوام کو معاشی، معاشرتی ، تعلیمی اور لسانی حوالے سے زیر نگیں رکھتا ہے۔ اس کے رد عمل میں نئی تہذیبی، علمی اور فکری مباحث جنم لیتے ہیں۔ لسانی استعماریت سے پسماندہ اقوام ثقافتی، تعلیمی اور ادبی سطح پر مغلوب ہوتی جارہی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ Universalurdypost.com/evergreen.article21-5-2015/25525

۲۔ niazamana.com/2016/08/damaging-urdu-language/

۳۔ http://www.dailymountaingb.com/story/2507

۴۔ لارڈ میکالے، Macaulay's Minute on Education، (اسلام آباد: ڈان نیوز پیپرز، ۲۰۱۷ء)۔

۵۔ مسعود حسین خان، اردو کا المیہ، (علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۷۳ء)، ص ۲۴۷۔

۶۔ /http://hameedshahid.com/index.php/2016/15/06/514

۷۔ عمیرہ احمد، میری ذات ذرہ بے نشاں، (لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۶۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۱۰۔ ایضاً، ۱۶۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۵۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۶۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۰۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۴۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۲۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۴۶۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۵۶۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۵۷۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۶۴۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۷۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۶۸۔

۲۹۔ ایضاً ص ۶۹۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۷۰۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۷۰۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۷۴۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۷۴۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۷۵۔

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۴۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۲۰۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۴۵۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۳۴۔

۴۷۔ ایضاً، ص ۴۶۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۵۰۔ ایضاً، ص ۷۵۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۰۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۵۵۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۵۶۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۵۷۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۵۸۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۵۹۔ ایضاً، ص ۵۲۔

۶۰۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۶۱۔ ایضاً، ص ۵۴۔

۶۲۔ ایضاً، ص ۵۶۔

۶۳۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۶۴۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۶۶۔ ایضاً، ص ۱۸۔

۶۷۔ ایضاً، ص ۲۴۔

۶۸۔ ایضاً، ص ۲۹۔

۶۹۔ ایضاً، ص۳۳۔

۷۰۔ ایضاً، ص۴۳۔

۷۱۔ ایضاً، ص۴۳۔

۷۲۔ ایضاً، ص۴۸۔

۷۳۔ ایضاً، ص۵۳۔

۷۴۔ ایضاً، ص۵۶۔

۷۵۔ ایضاً، ص۶۳۔

۷۶۔ ایضاً، ص۶۹۔

۷۷۔ ایضاً، ص۶۹۔

باب سوم:

یہ جو ایک صبح کا ستارہ میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ

باب سوم

ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر

عمیرہ احمد اپنے ناول پیر کامل سے شہرت پانے والی پاکستان کی مقبول و معروف ناول نگار ہیں جو مقبول عام فکشن میں نئے رجحانات کو تشکیل دے رہی ہیں۔ انھوں نے نوجوان نسل کے ناول نگاروں میں بہت تیزی سے اپنا مقام بنایا ہے۔ عمیرہ احمد کی نثر میں محض خیالات اور موضوعات کی دنیا ہی آباد نہیں ہے بلکہ ان کو پیش کرنے اور بہتر انداز میں برتنے کا طور طریقہ بھی ہے۔ عمیرہ احمد کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ اپنی فکشن کے ذریعے معاشرے میں بہتری لانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اردو کو مادری زبان کہنے والے دانشوروں اور علمائے ادب کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اردو کا دلی اور لکھنو کا سکول اب معدوم ہو چکا ہے مگر اردو کا تیسرا سکول اپنے شباب پر ہے اور دعوت سخن دے رہا ہے۔ اردو زبان سے محبت کرنے والے دانشور اپنی گفتگو میں نئی نسل کے ذریعے بولے جانے والے انگریزی الفاظ پر تنقید تو کرتے ہیں لیکن ان کے پاس اس کے متبادل موجود نہیں۔

مغربی اقوام کی لسانی استعماریت کی پالیسی بہت تیزی سے علاقائی اور قومی زبانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کے پرستار عناصر حکومت کی سطح پر اردو کے زوال کے مزید منصوبے بنا رہے ہیں اس کی ایک وجہ انگلش میڈیم سکولوں کا قیام ہے۔ یہ کام اتنی چالاکی اور مستعدی سے سرانجام دیا جانے لگا ہے کہ اہل اردو ہی اردو سے کترانے لگے ہیں۔ اردو کو قومی زبان بنانے کے نعرے بھی بلند ہوتے رہے اور اردو کی جڑوں کو بھی کھوکھلا کیا جاتا رہا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا سیاسی نظام بھی انگریزی کی لسانی استعماریت کو قائم رکھنے میں معاون کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارے سیاست دانوں کی مجرمانہ غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ہی اردو زبان پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ عام طور پر حکمران طبقے کا تعلق انگریزی کلب کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ طبقہ اردو زبان کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتا ہے۔ شاید اس کی یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کو حکمران طبقہ ایک مشکل مسئلہ سمجھتا ہے اور انگریزی زبان اپنا اور ریاست کا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھنے میں عافیت محسوس کرتا ہے۔ نوجوان نسل کی اردو سے

رغبت کم ہونے کی ایک بڑی وجہ اردو کو تعلیمی اداروں سے بے دخل کر دینا بھی ہے۔ جاوید گوندل اپنے ایک مضمون "اردو: انتہائی توجہ طلب قومی فریضہ" میں رقمطراز ہیں:

> "چین کے ایک صدر کے بارے میں ایک واقعہ عام بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے انگریزی زبان جانتے ہوئے بھی انگریزی زبان کی بجائے چینی زبان میں بات کرنے کو یہ کہہ کر ترجیح دی کہ چین گونگا نہیں ہے۔ جن قوموں کی اپنی زبان نہیں ہوتی وہ گونگی اور بہری قرار دی جاتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ گونگی اور بہری بے زبان قومیں تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو گئیں اور ان کا نشان بھی اب نہیں ملتا۔"[1]

عمیرہ احمد نے اپنے ناول یہ جو ا ک صبح کا ستارا ہے میں بہت انگریزی الفاظ کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کے جملوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ زبان الفاظ کا ہی گھورکھ دھندا ہے۔ زبان وہ بامعنی آوازیں یا علامتیں ہیں جن کی وساطت سے انسان بصورت تقریر یا تحریر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ زبان نہ صرف خیالات اور سوچ کے اظہار کا ذریعہ ہے بلکہ یہ ایک کمیونٹی کی خصوصیات، خیالات، جذبات اور اقدار بھی دوسری کمیونٹی میں منتقل کر دیتی ہے۔ عمیرہ احمد اور دیگر ناول نگاروں کے ہاں ہمیں انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ملتا ہے۔ سماج ایک معاشرہ ہوتا ہے جس کا نظام انسان اپنی ضروریات کے مطابق تشکیل دیتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد انگریزی زبان کو ہماری ضرورت بنانے میں ہماری ماضی کی حکومتوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہر سطح پر انگریزی زبان کو ہماری ضرورت بنا دیا گیا ہے۔ مقبول عام فکشن میں انگریزی الفاظ کا ستعمال اپنے اندر انگریز قوم کی تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور پاکستان سماج کے اندر یہ تبادلہ زبان کے تحت ہو رہا ہے جو کبھی تقریری صورت میں نظر آتا ہے اور کبھی تحریری صورت میں۔

ناول یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے میں مرکزی اور ضمنی کردار موجود ہیں۔

ناول کے مرکزی کردار:

رومیصہ عمر	ناول کی ہیروئن
نبیل سکندر	ناول کا ہیرو
سکندر علی	نبیل کا والد
فاخرہ سکندر	نبیل کی والدہ
ذیشان	نبیل کا بھائی

ناول کے ضمنی کردار:

سکندر علی کے چھے بیٹے ہیں:

اشعر	نبیل کے بھائی
احمر	ذیشان
فراز	
ولید	

نبیل سکندر اور ذیشان سکندر کا ذکر اوپر مرکزی کرداروں میں ہو چکا ہے۔

عافیہ	نبیل کے آفس میں کام کرنے والی لڑکی
شمائلہ	نبیل کی سابقہ سیکرٹری
ستارہ	نبیل کی بھابھی
عالیہ	نبیل کی بھابھی
رومیصہ کی خالہ	
ماہم	نبیل سکندر اور رومیصہ کی بیٹی
ربیعہ	ذیشان کی منگیتر

ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے کی کہانی پاکستانی معاشرے کی روایتی کہانی معلوم ہوتی ہے جس میں رومیصہ کا کردار پاکستان میں عورت سے ہونے والے سماجی اور معاشرتی استحصال کی روداد بیان کرتا ہے۔ ناول کی کہانی رومیصہ کے کردار کے گرد گھومتی ہے جو ناول کے منظر نامے پر یتیم ہونے پر معاشرتی استحصال کی تصویر پیش کرتی ہے۔ جیسا کہ پاکستانی معاشرے میں یتیم بچے کا حق اس کے رشتے دار ہڑپ کر جاتے ہیں ویسے ہی رومیصہ کیخالہ اس کی وراثت میں ملا ہوا پیسہ اپنی بیٹیوں کی شادی پر خرچ کر لیتی ہے۔ اس کی خالہ کا ایک بیٹا اور چار بیٹیاں تھیں۔ رومیصہ کی خالہ نے اسے انگلش میڈیم سکول سے نکال کر اپنی بیٹیوں کے ساتھ سرکاری سکول میں داخل کروا دیا۔ جیسے ہی رومیصہ ایف۔اے پاس کر لیتی ہے تو اس کی خالہ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ ملازمت کرے۔

رومیصہ نے ایک فرم میں سیکرٹری کی ملازمت کے لیے درخواست جمع کروائی ہوتی ہے۔ جب وہ انٹرویو کے لیے جاتی ہے اس وقت اس آفس میں جہاں انٹرویو لیے جا رہے تھے وہاں نبیل سکندر بھی موجود تھا۔ نبیل سکندر شروع

سے ہی دل پھینک ہوتا ہے جب وہ رومیصہ کو دیکھتا ہے تو پہلی نظر میں اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ رومیصہ انٹر ویو کے درمیان گھبرائی ہوتی ہے اور باقی لڑکیوں کی نسبت بہت سادہ ہوتی ہے۔ نبیل سکندر اپنے مینیجر سے کہتا ہے کہ وہ رومیصہ کو اس کی سیکرٹری منتخب کر لے اور اسے ملازمت کا لیٹر دے دے۔ وہ آفس کی گاڑی پر آنا شروع کر دیتی ہے ۔عافیہ اسے کمپیوٹر آپریٹ کرنا سکھاتی ہے۔ عافیہ اسے نبیل سکندر کے بارے میں بتاتی ہے جس سے وہ نبیل سکندر سے محتاط رہنے لگتی ہے کیونکہ اس سے پہلے شائلہ نامی لڑکی اس کی سیکرٹری کے طور پر کام کرتی تھی۔ نبیل سکندر اسے پسند کرتا تھا۔ان کے درمیان تحائف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ کچھ عرصہ بعد نبیل سکندر کی دلچسپی اس میں ختم ہو گئی اور تحائف کا لین دین بھی ختم ہو گیا۔ شائلہ کا محض تنخواہ میں گزارہ کرنا مشکل تھا اس لیے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔

نبیل سکندر پاکستان اور امریکہ میں کاروبار کرتا تھا۔امریکہ میں اس کی بہت سی گرل فرینڈز تھیں۔اس کی اکثر گرل فرینڈز بہت اچھی فیملیز سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی بھی شادی کا خواہش مند نہیں تھا وہ صرف ان سے وقتی تعلق رکھتا تھا۔ نبیل نے کئی بار محسوس کیا کہ وہ کسی حسینہ کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے مگر یہ کیفیت عارضی ثابت ہوتی۔انٹرویو کے دوران وہ رمیصہ کے بارے میں کافی کچھ جان چکا تھا کہ اس کے والدین کا سایہ شفقت اس کے سر پر نہیں تھا۔ رومیصہ کے بارے میں نبیل کافی حد تک سنجیدہ ہو گیا تھا۔ایک دن اس نے رومیصہ کو اپنے دفتر میں بلا کر اس سے اپنی شادی کی خواہش کا اظہار کر دیا۔اسے انگوٹھی بھی پہنا دی۔انگوٹھی پہنانے کے بعد اس نے رومیصہ سے کہا کہ آج کے بعد آفس نہ آنا۔ میرے والدین تمہارے گھر رشتہ لے کر آئیں گے۔جب گھر میں نبیل سکندر نے اپنی رومیصہ سے شادی کا اظہار کیا تو اس کی ماں نے طوفان برپا کر دیا۔ نبیل سکندر اپنے باپ سکندر علی کا سب سے لاڈلہ اور فرماں بردار بیٹا تھا۔ سکندر علی کے چھے بیٹے تھے جن میں سے نبیل سکندر تیسرے نمبر پر تھا۔ سکندر علی ایک کامیاب بزنس مین تھے اور ان کی فیملی کا شمار اشرافیہ طبقے میں ہوتا تھا۔

نبیل سکندر رومیصہ کی محبت میں اس سے شادی کا فیصلہ کرتا ہے۔اس کے والدین اسے بہت سمجھاتے ہیں کہ رومیصہ سے اس کی شادی کا فیصلہ احمقانہ اور جذباتی ہے۔ یہ فیصلہ بعد میں اس کے لیے پچھتاوے کا باعث بنے گا۔ نبیل کی ماں اس رشتے کی شدید مخالفت کرتی ہیں کہ رومیصہ کا تعلق نچلے طبقے سے ہے۔اس کا خاندان کسی بھی لحاظ سے ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی ان کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پائے گی۔ نبیل سکندر کی ضد کے سامنے اس کے والدین مجبور ہو جاتے ہیں اور رومیصہ کے گھر نبیل کا رشتہ لے کر جاتے ہیں۔ رومیصہ کی خالہ ایک لالچی خاتون ہے۔ وہ اتنا اچھا رشتہ آنے پر خوش ہونے کی بجائے یہ کہہ کر اس رشتے سے انکار کر دیتی ہیں کہ رومیصہ کی عمر ابھی کم ہے اور وہ

اس کی شادی اپنی دو بیٹوں کی شادی کے بعد کرے گی۔ فاخرہ سکندر نبیل کی ماں رومیصہ کی خالہ کی باتیں سن کر خوش ہو جاتی ہیں کہ یہ بلا تو سر سے ٹل گئی۔

اس انکار کے بعد نبیل سکندر خود رومیصہ کے گھر چلا جاتا ہے۔ اس کے خالو اور خالہ نبیل سکندر کے ظاہری حلیے سے کافی مرعوب ہوتے ہیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ نبیل اتنا خوبرو ہو سکتا ہے۔ نبیل نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی اپنے آنے کا مقصد بیان کرنا شروع کر دیا۔ رومیصہ کے خالو حیران تھے کہ اس کی خالہ نے اس رشتے سے انکار کیوں کیا۔ رومیصہ کی خالہ کو اندازہ نہیں تھا کہ رشتہ ٹھکرانے کے چند گھنٹوں بعد نبیل سکندر ان کے سامنے ہو گا۔ نبیل سکندر کی امارت دیکھ کر رومیصہ کی خالہ کی لالچ کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ نبیل سکندر رومیصہ کی خالہ کے تمام مطالبات مان لیتا ہے۔ وہ انہیں بتا دیتا ہے کہ اسے کسی قسم کے جہیز کی ضرورت نہیں ہے اور شادی بھی بہت سادگی سے ہو گی۔ پاکستان میں پسند کی شادی کی بہت مخالفت کی جاتی ہے۔ ایسا ہی منظر ہمیں ناول میں بھی نظر آتا ہے۔

نبیل سکندر کی شادی رومیصہ عمر سے ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد نبیل کے بھائی اور بھابیاں رومیصہ کو بہت بے دلی سے تحائف دیتی ہیں۔ نبیل کی ماں رومیصہ کو قبول نہیں کرتیں اور روایتی ساس کا کردار ادا کرتی ہیں۔ رومیصہ او ر نبیل سکندر شادی کے بعد ہنی مون کے لیے امریکہ چلے جاتے ہیں۔ واپسی پر وہ سب گھر والوں کے لیے تحفے لے کر آتی ہے۔ جب وہ نبیل کی بھابیوں اور ماں کو تحائف دینے جاتی ہے تو اسے ان کی طرف سے شدید نفرت آمیز رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نبیل کی ماں امریکہ سے واپسی پر اسے گھر کے کاموں میں لگا دیتی ہیں۔ فاخرہ سکندر کا رویہ باقی بہوؤں کی نسبت رومیصہ کے ساتھ تحقیر آمیز ہوتا ہے۔ رومیصہ کا سارا دن ملازموں کی نگرانی پر گزر جاتا ہے۔ جب نبیل سکندر کو اس حقیقت کا علم ہوتا ہے تو وہ گھر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیتا ہے۔ وہ رومیصہ سے بھی تلخ لہجے میں بات کرتا ہے کہ تم ہاؤس کیپر نہیں ہو۔ فاخرہ سکندر بار بار رومیصہ کو اس کی تھرڈ کلاس فیملی کا طعنہ دیتی ہیں۔ بار بار اسے ہر بات زچ کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ سیکرٹری جیسی گھٹیا جاب کرتی تھی۔ اس کے کردار پر کیچڑ اچھالتی ہیں۔ رومیصہ جب حاملہ ہوتی ہے تو نبیل سکندر کو بھی بہت خواہش ہوتی ہے کہ اللہ اسے پہلے اسے بیٹی سے نوازے۔ نبیل سکندر اپنے باپ سے غصے کا اظہار اس انداز سے کرتا ہے:

> "ممی رومیصہ کے لیے اپنے دل سے نفرت اور کدورت کبھی نہیں نکال سکتیں اور وہ ہی کیوں اس گھر کے باقی سب لوگ بھی آپ بھی پاپا آپ بھی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر میں مر جاؤں تو آپ لوگ تو مجھے دفن کرنے سے پہلے رومیصہ کو دھکے دے کر اس گھر سے نکال دیں گے۔"[۲]

نبیل اپنے باپ سے اپنے حصے کی جائیداد کا تقاضا بھی کرتا ہے۔اسے اپنے کاروبار کے سلسلے میں امریکہ جانا پڑتا ہے۔وہ جانے سے پہلے رومیصہ اور اپنی ماں کے درمیان ہونے والے جھگڑے کا حل نکال کر جاتا ہے کہ وہ امریکہ سے واپسی پر الگ گھر میں شفٹ ہو جائے گا۔نبیل سکندر کی اپنے بھائی ذیشان سکندر سے گہری دوستی ہوتی ہے۔نبیل کے امریکہ جانے کے بعد اس کا رومیصہ سے ٹیلی فون پر رابطہ رہتا ہے۔رومیصہ نبیل کے جانے کے بعد تنہائی کا شکار ہو جاتی ہے۔زندگی سانسوں کی مالا کے چلتے رہنے کا نام ہے۔اچانک رومیصہ کی زندگی کے خوشگوار لمحے اذیت ناک لمحوں میں بدل جاتے ہیں جب اسے پتا چلتا ہے کہ ایک سڑک حادثے میں اس کے محبوب شوہر کی سانسوں کی مالا ٹوٹ چکی ہے۔یہ خبر سنتے ہی رومیصہ کی دنیا ویران ہو جاتی ہے اور وہ سکتے میں آجاتی ہے کہ یہ سب اس کے ساتھ کیوں پیش آیا۔اس پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی تھی وہ کمرے کے ایک کونے میں غم کے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

نبیل کی ماں کا کردار ایک ایسی ظالم اور مغرور عورت کا کردار ہے جو نبیل کے چالیسویں کے ایک ہفتے کے بعد رومیصہ کے کمرے میں آئیں اور نبیل کے تمام کاغذات، کریڈٹ کارڈز، چیک بکس، زیورات اور کرنسی پر قابض ہو گئیں۔رومیصہ بھی چپ چاپ سب کچھ اپنی ساس کے حوالے کر دیا۔فاخرہ سکندر نے رومیصہ کو اس کی خالہ کے ساتھ بھیج دیا۔جب ذیشان سکندر اور سکندر علی کو رومیصہ کے گھر سے جانے کا پتا چلا تو سکندر علی یہ سن کر شدید طیش میں آگئے۔انھوں نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ وہ ابھی رومیصہ کو واپس اس گھر میں لے کر آئیں گے۔وہ اور ذیشان سکندر رومیصہ کو گھر واپس لے آئے۔فاخرہ سکندر کے دل میں کبھی بھی رومیصہ کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہوا۔رومیصہ نے واپس آکر ملازموں کی طرح کام کرنا شروع کر دیا۔وہ حاملہ ہونے کے باوجود کبھی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی کیونکہ وہ اپنے زندہ وجود کو فراموش کر چکی تھی۔پہلے سے بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔فاخرہ اسے بار بار کہتی تھیں کہ وہ حمل کو ضائع کروادے کیونکہ اسے اور اس کے بچے کو جائیداد میں سے کچھ نہیں ملنے والا۔اس کی خوبصورتی کو جس پر کبھی نبیل سکندر فدا ہوا تھا، دکھوں کی دیمک چاٹ گئی تھی۔وہ مرجھائی مرجھائی سے ایک خاموش وجود بن گئی تھی جس کی زندگی کا مقصد گھر والوں کی خدمت کرنا تھا۔

انسان کی زندگی میں پیش آنے والی انہونیاں اسے حیرت کی دنیا میں لے جاتی ہیں۔ایسی ہی انہونیاں رومیصہ کی زندگی میں اسے نئے نئے امتحانات میں ڈال دیتی ہیں۔وہ یہ سن کر حیران و پریشان رہ جاتی ہے جب اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کے سسر سکندر علی کی خواہش ہے کہ اس کا نکاح ذیشان سکندر سے کر دیا جائے جبکہ وہ ایک بچی کی ماں بن چکی ہے۔ذیشان یہ سب سن کر ہنگامہ کھڑا کر دیتا ہے کیونکہ اس کا پہلے ہی نکاح اس کی خالہ زاد سے ہو چکا تھا صرف رخصتی ہونا باقی تھی۔ذیشان کسی قیمت پر بھی رومیصہ سے شادی کرنے کے لیے تیار نہ تھا کیونکہ وہ اس کی اور نبیل کی

محبت کی داستان سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ وہ رومیصہ کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب سکندر علی نے اپنا ہر ہر بہ آزمالیا تو اس نے ذیشان سے کہا کہ اگر اس نے رومیصہ سے شادی نہیں کی تو اسے جائیداد میں حصہ نہیں دے گا۔ ذیشان یہ سن کر سخت پریشان ہو گیا تھا۔ ذیشان کی منکوحہ ربیعہ کو جب جائیداد والی بات پتا چلی تو اس نے ذیشان سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اصل میں سکندر علی یہ چاہتے تھے کہ ذیشان رومیصہ کو اپنا نام دے دے تا کہ وہ اس گھر میں محفوظ ہو جائے۔ ذیشان ربیعہ کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارے اور ساتھ رومیصہ کے ساتھ بھی نکاح کر لے۔

ذیشان سب گھر والوں کے پریشر میں آکر رومیصہ سے شادی کر لیتا ہے۔ جب سکندر علی اس سلسلے میں رومیصہ سے بات کرتا ہے تو وہ بھی اس شادی سے انکار کرتی ہے۔ کچھ فیصلوں کا اختیار قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ وہ اس فیصلے کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتی ہے۔ ذیشان رومیصہ سے شادی کے بعد اس کے اور اپنے بیچ ایک فاصلہ رکھتا ہے۔ اسے رومیصہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ذیشان رومیصہ کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی ماہم سے بھی نفرت کرنے لگتا ہے۔ شادی سے پہلے اسے جو رومیصہ اور ماہم سے ہمدردی تھی وہ شادی کے بعد حقارت میں بدل جاتی ہے۔ ذیشان زیادہ دیر گھر سے غائب رہنے لگا اسے بے جوڑ رشتے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ذیشان پولیس میں تھا اور اسے گولیاں لگی تھیں۔ اس حادثے کے بعد ذیشان آئی۔ سی۔ یو میں رہا تھا۔ وہ اس حادثے کی خبر سن کر اپنے کمرے میں آئی اور اپنی قسمت سے بہت سے سوال کرنے لگی کہ یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے۔

ذیشان جب گھر آیا تو رومیصہ نے ذیشان سے اس کی صحت کا پوچھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذیشان ماہم سے مانوس ہونا شروع ہو گیا۔ قسمت کی دیوی رومیصہ پر پھر سے مہربان ہو گئی کیونکہ ذیشان رومیصہ کو اپنی بیوی تسلیم کر لیتا ہے۔ ناول کی کہانی میں تسلسل اور ربط موجود ہے۔ کہانی امریکہ اور پاکستان میں واقع ہوئی ہے۔ کہانی دلچسپ انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ ناول کے مطالعے کے دوران ایسا لگتا ہے کہ عمیرہ احمد نے پاکستانی معاشرے کو دیکھا، سمجھا اور محسوس کیا ہے۔ عمیرہ احمد کے تخلیقی شعور کے پیچھے اردو ادب کی روایتی کہانی بھی ملتی ہے۔ اس ناول کے واقعات میں بھی منطقی ربط موجود ہے اور تمام کردار حقیقی زندگی کا عکس پیش کرتے ہیں۔ اگر ناول کے موضوع کے حوالے سے بات کی جائے تو انسانی زندگی اس صبح کے ستارے کی مانند ہے جس میں خوشیوں کی لمحات بہت کم آتے ہیں۔

عمیرہ احمد جہاں سادہ کہانی لکھتی ہیں وہاں پاکستانی، معاشرے پر تنقید بھی کرتی ہیں کہ کیسے یتیم بچوں کا مال ہڑپ کر لیا جاتا ہے۔ اگر کسی ادنی طبقے کی لڑکی کی شادی اعلیٰ طبقے میں ہو جائے تو کیسے رومیصہ کی طرح اس کا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ رومیصہ کی ساس دولت کے نشے میں ڈوبی اپنے بیٹے کی نسل ختم کرنے کے درپے ہے۔ ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے ایک معاشرتی ناول میں ہے جس میں پاکستانی معاشرے میں عورت سے ہونے والے استحصال کو بھی

موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کی کہانی رومیصہ اور نبیل سکندر کے کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔ نبیل بزنس مین فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے والد کا کاروبار امریکہ میں بھی ہے۔ اس لیے نبیل امریکہ بھی جاتا رہتا ہے۔ نبیل اور اس کے خاندان کے افراد جو اردو زبان بولتے ہیں اس میں انگریزی زبان کے الفاظ کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کے جملوں کا استعمال بھی ملتا ہے۔ پاکستان میں بزنس مین اور امیر طبقہ ایسی ہی زبان بولتا ہے جیسے نبیل کا خاندان بولتا ہے۔ ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے میں عمیرہ احمد بہت سے ایسے جملے استعمال کرتی ہیں جن میں انھوں نے وہ انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں جن کے اردو زبان میں بہترین متبادل الفاظ موجود ہیں۔ ناول کے متن میں بلاواسطہ استعمال ہونے والے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اپنی باری آنے سے پہلے ہی وہ یہ جاب ملنے کی امید چھوڑ چکی تھیں۔ ۳

۲۔ کچھ میک اپ اور جیولری بھی پہن لے مگر وہ قطعاً نہیں مانی تھی۔ ۴

۳۔ آپ کا نام رومیصہ ہے اور آپ کی کوالیفیکیشن؟ ۵

۴۔ واپس آکر وہ پرنٹر سے ڈاکومنٹس نکال رہا تھا۔ ۶

۵۔ اس پر کوئی پریشر نہیں تھا۔ ۷

۶۔ ان میں سے اکثر اچھی فیملیز سے تعلق رکھتی ہیں۔ ۸

۷۔ آپ کو ان چیزوں میں ٹرینڈ کیا جائے۔ ۹

۸۔ آج کے لیے بس اتنی انسٹرکشنز کافی ہیں۔ ۱۰

۹۔ اگر کسی لڑکی طرف سے کوئی رسپانس نہ ملے۔ ۱۱

۱۰۔ انیس سال کی لڑکی سے شادی کر کے تمہیں صرف ٹینشن ملے گی۔ ۱۲

۱۱۔ امی! ہم لوگوں نے آپ کے لیے کچھ گفٹس لیے ہیں۔ ۱۳

۱۲۔ وہ اپنے بچے کے لیے کیا کیا پلاننگ کرتا رہا تھا۔ ۱۴

۱۳۔ کیونکہ تم میں بہت سی کوالٹیز ہیں۔ ۱۵

۱۴۔ لیکن ماہم نے مجھے اگنور نہیں کیا نہ مجھ سے خوف زدہ ہوئی۔۱۶

ناول یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے میں بہت سے ایسے انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے جن کے اردو متبادل موجود ہیں اس کے باوجود عمیرہ احمد نے ان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عمیرہ احمد کے ناول کی زبان پاکستان میں عام طور پر بولی جانے والی زبان ہے تو کیا پاکستانی لسانی استعماریت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اپنی گفتگو میں بلا جواز ان الفاظ کا استعمال کر رہے ہیں۔ عمیرہ احمد پاکستانی ناول نگار ہیں۔ ان کی اردو اچھی اور معیاری ہونے کے باوجود انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال لسانی استعماریت کی وجہ سے ہے۔ عمیرہ احمد جب شعوری اور لاشعوری طور پر ان انگریزی الفاظ کو اپنے ناول کے متن میں استعمال کرتی ہیں تو اس سے اردو زبان کی مٹھاس، شائستگی اور تہذیب کی روح مجروح ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اردو زبان میں جذبات کا اظہار اس کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہے اور قاری پر بھرپور تاثر چھوڑتا ہے۔

ادب تصورات کی دنیا ہے۔ ادب معاشرتی رویوں کے عکس کی دنیا ہے۔ ہمارے معاشرتی رویوں پر مغربی استعمار کی اجارہ داری ہے۔ انگریزی زبان کی استعماریت ہمارے رویوں اور ادب میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ مندرجہ بالا جملوں میں عمیرہ احمد نے جاب، جیولری، کوالیفیکیشن، ڈاکومنٹس، پریشر، فیملیز، ٹرینڈ، انسٹرکشنز، رسپانس، ٹینشن، گفٹس، پلاننگ، کوالٹیز اور اگنور کے الفاظ استعمال کیے ہیں جبکہ ان کے بہترین متبادل اردو زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً جاب کا ملازمت، جیولری کا زیورات، کوالیفیکیشن کا قابلیت، تعلیم، ڈاکومنٹس کا دستاویزات، پریشر کا دباؤ، فیملیز کا خاندان، ٹرینڈ کا تربیت دی، انسٹرکشنز کا ہدایات، رسپانس کا جواب دینا، ٹینشن کا پریشانی، گفٹس کا تحائف، پلاننگ کا منصوبہ بنانا، کوالٹیز کا خصوصیات اور اگنور کا نظر انداز کرنا موجود ہیں۔ ہمارا نوآبادیاتی عہد کا ماضی ہمیں یاد دلاتا ہے کہ فاتح اور غالب قوموں نے مفتوحہ اقوام پر اپنی زبان رائج کر کے انہیں اپنا ذہنی غلام بنانے کی کوشش کی۔ ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے آئیڈیل انگریز اور انگریزی زبان ہیں۔ عمیرہ احمد کے کرداروں کی طرح ہم اپنی گفتگو میں ایسے بے شمار الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے لیے اردو زبان میں میٹھے اور شیریں مترادفات موجود ہیں۔ ہم یورپی اقوام کے پیدا کردہ اس احساس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے کہ ہم کمتر ہیں، ہماری زبان اور سوچ کمتر اور گھٹیا ہے۔ بعض اوقات تو اردو جملوں میں انگریزی الفاظ کے یہ پیوند عجیب و غریب محسوس ہوتے ہیں۔ عمیرہ احمد کے کردار معاشرے کے چلتے پھرتے عام کردار ہوتے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ ان کی زبان بھی عام فہم اردو زبان ہو تاکہ اسے سمجھنے میں مشکل پیش نہ آئے اور لسانی استعماریت کی خلاف مزاحمتی رویے جنم لیں۔ عمیرہ احمد کے جو کردار نام نہاد اشرافیہ سے

تعلق رکھتے ہیں ایسے ہی بہت سے کردار انگریزی زبان کو فروغ دے رہے ہیں۔ اگر مندرجہ بالا جملوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا لسانی تجزیہ کیا جائے تو عمیرہ احمد زیادہ تر انگریزی زبان کے اسم نکرہ (Common Nouns) کو استعمال کرتی ہیں۔ پاکستان میں جو اردو زبان بولی جاتی ہے وہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے عمیرہ احمد کے ناولوں کے کردار بولتے ہیں۔ ان کرداروں کی طرح پاکستانی بھی اپنی گفتگو میں اردو کے جملے میں دو، تین انگریزی الفاظ کا استعمال لازمی کرتے ہیں اور ایسا بولنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ ہماری حکومتوں، تعلیمی اداروں اور مقبول عام ادب لکھنے والے ادیبوں کے اردو زبان کے ساتھ غیر پسندیدہ زبان کے سلوک کی وجہ سے انگریزی زبان کی استعماریت کا راج نئے نو آبادیاتی نظام کو دعوت دے رہا ہے۔

ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے میں عمیرہ احمد کچھ انگریزی جملوں کا استعمال بھی کرتی ہیں جو انگریزی زبان میں ہی لکھے ملتے ہیں۔ یہ جملے مندرجہ ذیل ہیں:

Can you operate computer?17

Do you know how to type?18

Do you know how to handle telephone exchange. 19

Who is your favorite actor? 20

Your favorite T.V actor?21

Who is your favorite author? 22

What are your pastimes then? 23

See you here. Alright. 24

Just come into my room.25

That's very good.26

Are you engaged?27

Alright then would you like to marry me.28

This girl is going to be my wife.29

عمیرہ احمد نے ناول یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے میں مندرجہ بالا انگریزی جملوں کا استعمال کرتی ہیں۔ ناول کے متن میں انھوں نے زیادہ تر جملوں کا اردو ترجمہ بھی تحریر کیا ہے۔ مثلاً Can you operate

computer?(آپ کمپیوٹر آپریٹ کر سکتی ہیں)۔Do you know how to type?(آپ ٹائپ جانتی ہیں؟)۔Do you know how to handle telephone exchange?(آپ ٹیلی فون ایکسچینج ہینڈل کر سکتی ہیں)۔ان جملوں میں جو ترجمہ عمیرہ احمد نے لکھا ہے وہ اردو اور انگریزی گرامر کے مطابق غلط ہے۔مندرجہ بالا تینوں جملے نبیل سکندر ایک انٹرویو میں رومیصہ عمر سے پوچھتا ہے۔انگریزی زبان میں یہ سوالیہ جملے ہیں جن کا اردو ترجمہ بھی سوالیہ جملوں کی شکل میں ہونا چاہیے۔مثلاً کیا آپ کمپیوٹر چلا سکتی ہیں؟کیا آپ ٹائپ کر سکتی ہیں؟اور کیا آپ ٹیلی فون ایکسچینج ہینڈل کر سکتی ہیں؟۔

کچھ ایسے بھی انگریزی جملے بھی استعمال کرتی ہیں جن کا اردو ترجمہ گرامر کے اصولوں کے مطابق نظر آتا ہے۔مثلاً Who is your favorite actor?(آپ کا پسندیدہ ایکٹر کون ہے؟)، Who is your favorite author?(آپ کا پسندیدہ مصنف کون ہے؟) What are your pastimes then?(پھر آپ وقت کیسے گزارتی ہیں؟ So you are here. Alright. Just come into my room.(اچھا تو آپ یہاں ہیں۔ٹھیک ہے ذرا میرے کمرے میں آئیں)۔ Are you engaged?(آپ انگیجڈ ہیں؟)، Alright then would you like to marry me?(آل رائٹ تو آپ مجھ سے شادی کریں گی؟)۔

ناول میں ملازمت کے سلسلے میں رومیصہ عمر اور نبیل سکندر کے درمیان ہونے والا انٹرویو پاکستان میں ملازمت کے حصول کے لیے ہونے والے انٹرویوز کا عکس پیش کرتا ہے۔ہمارے ہاں ملازمت کسی بھی قسم کی ہو انٹرویو میں لازمی انگریزی زبان کا استعمال کیا جائے گا۔نبیل سکندر یہ سوالات پوچھنے کے لیے اردو زبان بھی استعمال کر سکتا ہے مگر ہم اپنی قومی زبان کو چھوڑ کر انگریزی میں انٹرویو کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ایسا رویہ محض ناول میں نہیں ہے بلکہ یہ رویہ عام ہے کہ آپ کو ہر طرح کی ملازمت کے حصول کے لیے انگریزی زبان آنی چاہیے کیونکہ انٹرویو میں زیادہ تر سوالات انگریزی زبان میں پوچھے جاتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریزی زبان ہماری قابلیت کو پرکھنے کا معیاری پیمانہ بن چکی ہے۔نبیل سکندر کی طرح ہمارے معاشرے کے عام کردار بھی پہلے انگریزی زبان میں جملہ بولتے ہیں پھر اکثر اس کا اردو ترجمہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔ہمیں دوسری زبان اس وقت استعمال کرنی چاہیے جب ہماری زبان ان جملوں کو ادا کرنے سے قاصر ہو۔ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر ضروری طور پر انگریزی زبان کے الفاظ اور جملے مقبول عام فکشن میں استعمال نہ کیے جائیں۔ہمارے ادیب ان انگریزی الفاظ اور جملوں کو استعمال کرتے ہوئے ذرا یہ نہیں

سوچتے کہ وہ اپنی قومی زبان کو کس حد تک نقصان پہنچا رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنے والے برسوں میں کیا اس نقصان کی تلافی ممکن ہو گی یا نہیں؟

پاکستان میں انگریزی زبان کی جو ذیلی قسم استعمال ہوتی ہے اس میں عمیرہ احمد کوڈ مکسڈ ورائیٹیز (Code Mixed Varieties) کا استعمال کرتی ہیں۔ عمیرہ احمد متن کے اندر کوڈ مکسنگ کے لیے کوڈ شفٹنگ استعمال کرتی ہیں۔ کچرو کے مطابق کوڈ مکسنگ سے مراد انگریزی الفاظ کا مقامی زبان کے جملوں میں شامل ہو جانا ہے۔ کوڈ مکسنگ کی بہت سے مثالیں ناول کے متن سے دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اس وقت وزیٹر روم میں ایک کونے میں بیٹھی وہ Odd one out کی بہترین مثال لگ رہی تھی۔[۳۰]

۲۔ انھیں اپائنٹ کر لیں اور اپائنٹمنٹ لیٹر بھی دے دیں۔[۳۱]

۳۔ وہ خود کو انٹرویو میں انوالو کرنے سے باز نہیں رکھ سکا۔[۳۲]

۴۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھی فرم کے مختلف آفسز اور فیکٹری کے مختلف حصوں سے لنک اور ڈی لنک ہونا سیکھتی رہی۔[۳۳]

۵۔ نہیں تھینک یو۔ لیکن مجھے یہیں لنچ کرنا ہے۔[۳۴]

۶۔ اس کے سامنے اس کا پہلا امپریشن بھی کچھ اچھا نہیں تھا۔[۳۵]

۷۔ بلکہ اچھی طرح ایڈجسٹ کر لے گی وہ بہت کمپرومائزنگ ہے۔[۳۶]

۸۔ پھر کیوں خود کو اس رول میں ٹرائی کرنا چاہتے ہو۔[۳۷]

۹۔ تمہارے بارے میں کچھ اور جاننے کے لیے میں نے تمہیں جاب دی اور اب میں تمہیں پرپوز کر رہا ہوں۔[۳۸]

۱۰۔ آج یا کل مجھے اپنا بزنس شروع کرنا ہے اور اگر میرے کونٹیکٹ نہیں ہوں گے تو مجھے بہت مشکل پیش آئے گی۔[۳۹]

۱۱۔ ایکسیڈنٹ میں نبیل کی ڈیتھ ہو گئی۔[۴۰]

۱۲۔ پہلے وہ ڈلیوری تک کے لیے ہاسپٹل میں ایک خاصی بڑی رقم جمع کروا چکا تھا۔ ۴۱

۱۳۔ نہ ہی اتنا گلیمرس ہوں میں بہت سادہ ہوں اور مجھے خوبصورتی کی بجائے کوالٹیز زیادہ اٹریکٹ کرتی ہیں۔ ۴۲

انگریزی زبان کی اردو زبان میں بہت تیزی سے آمیزش ہو رہی ہے۔ مندرجہ بالا جملوں میں بہت سے جملے ایسے ہیں جن میں عمیرہ احمد ایک سے زیادہ انگریزی الفاظ کو استعمال کرتی ہیں۔ دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی اردو زبان میں انگریزی الفاظ کی شمولیت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ زیادہ اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ نئے الفاظ کسی بھی زبان میں اس وقت شامل کیے جائیں جب ہماری زبان میں اس کے متبادلات موجود نہ ہوں لیکن المیہ یہ ہے کہ ہمارے ادیب بلاجواز اردو زبان میں انگریزی الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ ان الفاظ کی مثالیں امپریشن، انوالو، ایڈجسٹ، رول، ٹرائی، جاب، کونٹیکٹ، بزنس، ایکسیڈنٹ، ڈیتھ، ہسپتال، کوالیٹیز اور اٹریکٹ ہیں۔ بلاشبہ اردو زبان میں یہ خصوصیت موجود ہے کہ یہ ہر زبان کے الفاظ کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور بہت کم زبانوں میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے لیکن اردو زبان کی یہی خاصیت اس کی دشمن بنتی جا رہی ہے۔ لسانی استعماریت سے اردو کے روز مرہ استعمال کے بہت سے الفاظ لغات کے گوشوں تک محدود ہو گئے ہیں۔ کوئی بھی زبان اس وقت تک زندہ رہتی ہے جب تک اسے زندہ لوگ استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کیونکہ ہماری موجود نسلیں اور آنے والی نسلیں اس لسانی استعماریت کی زد میں ہیں۔ وہ آنے والے سالوں میں دنیا میں اپنی زبان کے ساتھ ساتھ اپنی شناخت بھی کھو بیٹھیں گی۔

لسانی استعماریت سے ہمارے ذہنی اور فکری رویے انگریزی زبان کی غلامی کی طرف مائل ہیں۔ لسانی استعماریت سے ہماری نوجوان نسل اپنی مادری اور قومی زبان کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ انگریزی ادب پڑھنے والے اور انگریزی زبان میں مہارت رکھنے والے اردو ادب کو تحقیر آمیز انداز میں دیکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں انگریزی ادب میں اعلیٰ رجحانات اور تصورات پائے جاتے ہیں جبکہ اردو میں ایسا ادب موجود نہیں۔ پاکستان میں روز بروز ترقی کرنے والا میڈیا بھی کوڈمکسنگ کے طریقے سے اردو زبان کی مزید زبوں حالی کا سبب بن رہا ہے۔ کوڈمکسنگ کا استعمال ٹی وی ڈراموں، اشتہارات، سیاسی و معاشرتی مباحثوں اور صبح نشر ہونے والے مارننگ شو میں عام ہو چکا ہے۔

اردو ایک لطیف زبان ہے۔ اس کی شیرینی اور پیرائے اظہار کی نزاکت ہی ادبی تخیل کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ ہمارا ادبی تخیل انگریزی الفاظ اور جملوں کی آمیزش سے ایک نئی ڈگر پے چل پڑا ہے۔ اردو زبان کا لب و لہجہ جہاں پیار و محبت سے دھلا ہے وہاں اس میں حسن و عشق کا سوز و گداز بھی ہے۔ اردو کی سرشت میں مختلف تہذیبوں

،روایتوں اور زبانوں کی آمیزش ہے۔اردو محض ایک زبان کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک زندہ چلتی پھرتی تہذیب کا نام ہے ۔زبان، کلچر اور ثقافت کا تحفظ ہمارے ادیبوں پر بھی اتنا ہی عائد ہوتا ہے جتنا ہماری حکومتوں اور دیگر ملکی اداروں پر۔یہ اردو زبان کے ماہر لسانیات اور ادیبوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ کم از کم اپنی زبان اور تہذیب و ثقافت کی حفاظت کے لیے اپنا فرض ادا کریں۔ماہر لسانیات کی غفلت کا ہی نتیجہ ہے کہ انگریزی کے ان گنت الفاظ ایسے ہیں جن کا اردو متبادل موجود نہیں ہے۔اگر اردو ادب کا طائرانہ جائزہ لیا جائے تو ہمیں کوئی ایسا ادیب نظر نہیں آئے گا جس کے متن میں بلاجواز انگریزی الفاظ اور جملوں کا استعمال موجود نہ ہو۔

ناول یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے میں عمیرہ احمد نے زیادہ تر انگریزی کے مرکب الفاظ کا استعمال کیا ہے تاہم ناول کے متن میں کہیں کہیں اردو اور انگریزی الفاظ کے مرکبات کا استعمال بھی ملتا ہے۔ایسے ہی الفاظ کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ وزیٹر روم میں اس کے ساتھ جو دوسری لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔۴۳

۲۔ میں کام کے معاملے میں بہت پروفیشنل اپروچ رکھتا ہوں۔۴۴

۳۔ اس دن بھی نبیل حسب معمول لنچ آور شروع ہونے سے پہلے آفس سے نکل گیا تھا۔۴۵

۴۔ پھر اس نے بہت آہستگی سے کینڈل اسٹینڈ ٹیبل سے اٹھالیا۔۴۶

۵۔ تعلیم کم ہے، پھر ورکنگ گرل ہے۔۴۷

۶۔ میرا فیملی بیک گراؤنڈ بہت اچھا ہے۴۸

۷۔ تم کوئی ہاؤس کیپر نہیں ہو۔۴۹

۸۔ آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔۵۰

۹۔ اگر تمہاری ارینج میرج نہ ہوئی تو کبھی شادی ہو گی ہی نہیں۔۵۱

۱۰۔ نائٹ گاؤن میں ملبوس عالیہ اس کے سر پر کھڑی شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۵۲

۱۱۔ ممی کی مس ہینڈلنگ کی وجہ سے ربیعہ اور میری طلاق ہو گئی۔۵۳

۱۲۔ تم اپنے جیسی کسی مڈل کلاس فیملی میں شادی کر لیتیں۔۵۴

ناول میں اردو اور انگریزی الفاظ کے مرکبات کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی غیر ملکی پارٹی سے اور ایسا کثر ہوتا رہتا ہے۔۵۵

۲۔ اس وقت ان کی پچاس فیصد ایکسپورٹس امریکا کو ہو رہی ہیں۔۵۶

۳۔ یہ بندہ فلرٹ ہے۔۵۷

۴۔ اس جیسے بندے کو خاصا ڈسٹرب کیا ہے۔۵۸

۵۔ یہ کافی میچور عمر ہے۔۵۹

۶۔ اس کا سارا چارم شادی کے چار کے بعد ختم ہو جائے گا۔۶۰

۷۔ اگر آپ کی کوئی ڈیمانڈ ہے تو آپ بتادیں۔۶۱

۸۔ کیا ان سے زیادہ اچھے اور مہنگے پرفیوم لائی ہو؟۶۲

۹۔ وہ اتنے خراب موڈ میں تھا کہ اسے اس سے خوف آنے لگا تھا۔۶۳

۱۰۔ تمہیں اب تیار ہو جانا چاہیے میرے اس قسم لمبے ٹورز کے لیے۔۶۴

۱۱۔ بہت بڑی ایکٹرس ہوتی ہو تم مڈل کلاس کی لڑکیاں۔۶۵

۱۲۔ فرائیڈ انڈے، بوائلڈ انڈے، بریڈ، سوپ، جیم، کوئی بھی نئی چیز نہیں تھی۔۶۶

۱۳۔ میرا ذہن اس شاک کو قبول نہیں کر رہا۔۶۷

اردو میں مرکب الفاظ سازی کا رواج عام رہا ہے۔اس سلسلے میں اہل زبان کو آزادی حاصل ہوتی ہے۔ کبھی فارسی اور اردو، کبھی اردو اور عربی، کبھی ہندی اور اردو، کبھی ترکی اور اردو، کبھی انگریزی اور اردو اور کبھی محض اردو کے دیسی الفاظ کے ساتھ مرکبات بنائے جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا جملوں میں عمیرہ احمد ایک سے بارہ تک جملوں میں انگریزی مرکب الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ان کی مثالیں وزیٹر روم، پروفیشنل اپروچ، لنچ آور، کینڈل اسٹینڈ ٹیبل، ورکنگ گرل، فیملی بیک گراؤنڈ، ہاؤس کیپر، بلیک میل، ارینج میرج، نائٹ گاؤن، مس ہینڈلنگ اور مڈل کلاس فیملی ہیں۔ناول نگار ناول کے متن میں ان مرکبات کے اردو متبادل بھی استعمال کر سکتی ہیں مگر یہ مرکبات ہماری روز مرہ زندگی میں اس

قدر رچ بس گئے ہیں کہ عمیرہ احمد شعوری اور لاشعوری طور پر ان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ مثلاً وہ وزیٹر روم کی جگہ مہمان خانہ اور انتظار گاہ کے اردو مرکب استعمال کر سکتی ہیں۔ اسی طرح فیملی بیک گراؤنڈ کی جگہ خاندانی پس منظر، بیلک میل کی جگہ دھمکی دے کر دباؤ ڈالنا، ہاؤس کیپر کی جگہ نوکرانی اور مڈل کلاس فیملی کی جگہ متوسط طبقے کے اردو مرکبات استعمال کر سکتی ہیں۔ ناول کے مطالعہ کے دوران اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پاس انگریزی الفاظ کے اردو متبادل الفاظ کے ذخیرے کی کمی ہے۔ اگر ناول انسان کی معاشرتی زندگی کا عکس پیش کرتا ہے تو پاکستان کی معاشرتی زندگی کی زبان کا عکس تو پھر ایسا ہی ہے جیسا عمیرہ احمد نے اپنے ناولوں میں پیش کیا ہے۔

مرکب الفاظ کے حوالے سے کچرو کا کہنا ہے کہ اکثر مرکب الفاظ انگریزی اور ہندی الفاظ کو ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ اگر اردو کے حوالے سے بات کی جائے تو پاکستان میں اردو اور انگریزی الفاظ کو ملا کر مرکب الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کچرو انگریزی الفاظ اور انڈین الفاظ کے مرکبات Indianness in Hybrid Formation کی اصطلاح استعمال کرتا ہے جس سے اس کی مراد آدھا انڈین اور آدھا انگریزی ہے۔ عمیرہ احمد ناول کے یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے کہ متن میں ایسے بہت سے مرکب الفاظ استعمال کرتی ہیں جن میں اردو اور انگریزی زبان سے الفاظ لیے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا ایک سے تیرہ تک جملوں میں ایسے مرکب الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ ان مرکب الفاظ کی مثالیں غیر ملکی پارٹی، پچاس فیصد ایکسپورٹس، بندہ فلرٹ، خاصا ڈسٹرب، میچور عمر، سارا چارم، کوئی ڈیمانڈ، مہنگے پرفیوم، خراب موڈ، لمبے ٹورز، بڑی ایکٹرس، فرائیڈ انڈے، بوائلڈ انڈے، اس شاک وغیرہ ہیں۔

اگر عمیرہ احمد کے ایک ناول کے مقابلے میں بانو قدسیہ کے ناول حاصل گھاٹ میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ لیا جائے تو ان کے اس ناول میں بہت زیادہ انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ وہ نہ صرف انگریزی الفاظ کو استعمال کرتی ہیں بلکہ بہت سے انگریزی جملوں کو بھی ناول کے متن کا حصہ بنا دیتی ہیں۔ ہمارے کلاسیکل ناول نگار بھی اپنے ناولوں میں ایسی زبان استعمال کر رہے ہیں جس میں انگریزی زبان کو بلا جواز استعمال کیا جا رہا ہے۔ بانو قدسیہ کے ناول حاصل گھاٹ سے انگریزی زبان کے استعمال کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ Do not be silly.68

۲۔ I am getting late.69

۳۔ I cannot wait any more.70

۴۔ I hate servants.71

۵۔ Its funny shit.72

۶۔ You cannot breath.73

۷۔ He has no confidence.74

۸۔ Life is for once only.75

ان چند جملوں کے علاوہ بے شمار انگریزی الفاظ اور جملے حاصل گھاٹ میں موجود ہیں۔ یہ وہ جملے ہیں جو ہماری روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ جملے اردو زبان میں بھی بہت خوبصورتی سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ https://pakcom.wordpress.com/2015/02/25/اردو/

۲۔ عمیرہ احمد، یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے، (لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۰۴۔

۳۔ ایضاً، ص ۷۹۔

۴۔ ایضاً، ص ۷۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۸۰۔

۶۔ ایضاً، ص ۸۲۔

۷۔ ایضاً، ص ۸۳۔

۸۔ ایضاً، ص ۸۴۔

۹۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۸۷۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۹۳۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۹۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۴۱۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۲۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۸۰۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۸۰۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۸۰۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۸۱۔

۲۱۔ ایضاً، ص۸۱۔

۲۲۔ ایضاً، ص۸۱۔

۲۳۔ ایضاً، ص۸۱۔

۲۴۔ ایضاً، ص۸۵۔

۲۵۔ ایضاً، ص۸۵۔

۲۶۔ ایضاً، ص۹۱۔

۲۷۔ ایضاً، ص۹۳۔

۲۸۔ ایضاً، ص۹۳۔

۲۹۔ ایضاً، ص۹۴۔

۳۰۔ ایضاً، ص۷۹۔

۳۱۔ ایضاً، ص۸۲۔

۳۲۔ ایضاً، ص۸۳۔

۳۳۔ ایضاً، ص۸۴۔

۳۴۔ ایضاً، ص۸۸۔

۳۵۔ ایضاً، ص۸۵۔

۳۶۔ ایضاً، ص۹۱۔

۳۷۔ ایضاً، ص۹۲۔

۳۸۔ ایضاً، ص۹۵۔

۳۹۔ ایضاً، ص۱۰۵۔

۴۰۔ ایضاً، ص۱۰۷۔

۴۱۔ ایضاً، ص۱۱۶۔

۴۲۔ ایضاً، ص۱۴۱۔

۴۳۔ ایضاً، ص۷۹۔

۴۴۔ ایضاً، ص۸۵۔

۴۵۔ ایضاً، ص۸۷۔

۴۶۔ ایضاً، ص۸۹۔

۴۷۔ ایضاً، ص۹۱۔

۴۸۔ ایضاً، ص۹۶۔

۴۹۔ ایضاً، ص۱۰۱۔

۵۰۔ ایضاً، ص۱۲۰۔

۵۱۔ ایضاً، ص۱۲۲۔

۵۲۔ ایضاً، ص۱۳۱۔

۵۳۔ ایضاً، ص۱۴۰۔

۵۴۔ ایضاً، ص۱۴۱۔

۵۵۔ ایضاً، ص۸۲۔

۵۶۔ ایضاً، ص۸۴۔

۵۷۔ ایضاً، ص۸۷۔

۵۸۔ ایضاً، ص۹۰۔

۵۹۔ ایضاً، ص۹۱۔

۶۰۔ ایضاً، ص۹۳۔

۶۱۔ ایضاً، ص۹۷۔

۶۲۔ ایضاً، ص۹۹۔

۶۳۔ ایضاً، ص۱۰۱۔

۶۴۔ ایضاً، ص۱۰۵۔

۶۵۔ ایضاً، ص۱۱۴۔

۶۶۔ ایضاً، ص۱۳۶۔

۶۷۔ ایضاً، ص۱۴۱۔

۶۸۔ بانو قدسیہ، حاصل گھاٹ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص۹۔

۶۹۔ ایضاً، ص ۴۲۔

۷۰۔ ایضاً، ص ۴۲۔

۷۱۔ ایضاً، ص ۴۵۔

۷۲۔ ایضاً، ص ۷۹۔

۷۳۔ ایضاً، ص ۸۰۔

۷۴۔ ایضاً، ص ۱۳۱۔

۷۵۔ ایضاً، ص ۱۳۲۔

باب چہارم:

آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں میں
انگریزی الفاظ کے استعمال کا جائزہ

باب چہارم

ناول آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی و سماجی تناظر

انگریزی زبان کے الفاظ، محاورے، نام اور ان سے وابستہ غیر ملکی تہذیبی مظاہر اور خباثتیں بے روک ٹوک ہماری تہذیب کو کھوکھلا کر رہیں ہیں۔ لسانی استعماریت سے ہمارے ذہنوں میں یہ خیال پیدا کیا جارہا ہے کہ انگریزی زبان ایک ایسی کھڑکی ہے جس سے دنیا بھر کی علمی اور سائنسی فتوحات کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ آزادی کے بعد بھی انگریزی زبان کی عملداری ختم نہیں ہو سکی۔ انگریزی زبان کی اس عملداری سے اردو زبان کے نفاذ میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہوئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو زبان کی بالادستی کا احساس پیدا کیا جائے۔ اس سلسلے میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دیگر ثقافتی ادارے بڑی حد تک معاشرتی رویوں کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ عدالتوں، بنکوں، دفتروں اور دیگر تعلیمی اداروں میں اردو زبان کے موثر نفاذ کی شدید ضرورت ہے۔ بی۔بی۔سی کی ایک رپورٹ میں انگریزی زبان کی اس لسانی استعماریت کے خاتمے کی نشاندہی بھی ملتی ہے:

"انگریزی کا غلبہ حالیہ زمانے تک کی دنیا کی دو طاقتور اقوام امریکہ اور برطانیہ کی زبان ہونے کی مرہون منت رہا ہے لیکن اب خاص طور پر چین کے اقتصادی سپر پاور بن جانے کی وجہ سے انگریزی زبان کو چیلنج کا سامنا ہے "[1]

پاکستانی معاشرے میں جس زبان کا رواج عام ہو رہا ہے اس میں اردو اور انگریزی کے ملے جلے الفاظ شامل ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں انگریزی الفاظ کا اندھا دھند استعمال اردو زبان کے استعمال کے دائرہ کار کو روز بروز تنگ اور انگریزی کے استعمال کو وسیع تر کرتا جارہا ہے جو اکیسویں صدی میں لسانی اجارہ داری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ لسانی استعماریت کا طے شدہ منصوبہ نظر آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ انگریزی الفاظ کو اردو اور دنیا کی دیگر مقامی زبانوں میں داخل کیا جائے۔ اگر انگریزی نواز پاکستانی طبقہ ایسے ہی انگریزی الفاظ کا استعمال کرتا رہا تو ہم بہت جلد اپنی قومی زبان کی ساخت اور شناخت کو کھو دیں گے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر زبانیں تعطل کا شکار ہو جائیں یا ان کے دائرہ استعمال کو محدود کر دیا جائے تو یہ اپنا مقام سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ ہمارا اپنی قومی زبان کے بارے میں احساس کمتری ماضی کے نوآبادیاتی نظام کی ایک اہم کڑی معلوم ہوتا ہے۔

ناول کے مرکزی کردار:

معیز	ہیرو
عائشہ حسن	ہیروئین
رابعہ	معیز کی والدہ

ناول کے ضمنی کردار:

ناصر	معیز کے والد
ولید	معیز کا دوست
فریحہ	عائشہ کی بہن
سعدیہ	معیز کے ماموں کی بیٹی
راشد صاحب	ولید کے والد
حاذق	عائشہ حسن کے تایا کا بیٹا
احمر	عائشہ کا بھائی
یاسمین	سعدیہ کی امی، رابعہ کی بھابھی

ان کے علاوہ دیگر کرداروں میں رابعہ کے تین بھائی، ملازم اور دیگر ضمنی کردار بھی ناول میں شامل ہیں۔ عمیرہ احمد کے دیگر ناولوں کی طرح اس ناول کی کہانی بھی پاکستانی معاشرے کی عام روز مرہ زندگی کی کہانی ہے۔ کہانی کے واقعات میں ربط اور تسلسل موجود ہے۔ کہانی میں تجسس سے قاری کی دلچسپی بڑھتی ہے اور اسے معیز کے کردار میں پاکستان معاشرے میں یتیم بچوں سے ہونے والے استحصال کی کہانی کی جھلک ملتی ہے۔

معیز کے والد مسقط کی ایک فرم میں انجنیئر تھے۔ جب اس کے والد حیات تھے اس وقت ان کے مالی حالات بہت اچھے تھے۔ رابعہ اور ناصر معیز کی ہر خواہش پوری کرتے تھے۔ وقت اور حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔ کچھ عرصہ بعد ناصر کو کینسر ہو گیا۔ رابعہ اس کا علاج کروانے کے لیے اسے پاکستان اور بیرون ملک اچھے ہسپتالوں میں لے کر گئی۔ ناصر نے جو چالیس سال کے عرصے میں جمع کیا تھا سب اس کے علاج پر خرچ ہو گیا۔ اگر پیسہ ہی ہر دکھ اور موت کا علاج ہوتا تو دنیا میں کوئی انسان نہ مرتا۔ اتنا زیادہ علاج معالجہ کروانے کے باوجود ناصر بچ نہ سکا۔ ناصر کی وفات کے بعد رابعہ کے مالی حالات بہت خراب ہو گئے۔ معیز تین سال کا تھا جب رابعہ اس کو لے کر اپنے بھائیوں کے پاس آ گئی تھی۔

رابعہ اور معیز اب رابعہ کے بھائیوں کے رحم و کرم پر تھے۔ پاکستانی معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ یہاں رشتوں کا معیار دولت اور جائیداد سمجھی جاتی ہے۔ اب رابعہ اپنے بھائیوں کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس کے بھائیوں نے اور بھابیوں نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرنا شروع کر دیا۔ معیز میٹرک کے امتحان میں شاندار نمبروں سے کامیاب ہوا۔ جب رابعہ نے معیز کے کالج میں ایڈمیشن کے سلسلے میں اپنے بھائی سے بات کی تو اس کے بھائی نے کہا کہ اب وہ کالج میں ایڈمیشن لے کر کیا کرے گا۔ اب وہ فیکٹری جایا کرے۔ مہینے میں اسے اتنے پیسے مل جایا کریں گے کہ اپنا اور تمہارا خرچ اٹھا سکے۔ رابعہ کی بڑی خواہش تھی کہ معیز بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے۔

معیز آٹھویں کلاس سے ہی اپنے دوست ولید کے باپ کی لیدر جیکٹس کی فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ معیز کی نسبت بچپن میں اس کی ماموں زاد سعدیہ سے طے کر دی گئی تھی۔ یہ نسبت اس وقت طے کی گئی تھی جب معیز کے والد کا شمار خاندان کے امیر کبیر افراد میں ہوتا تھا۔ رابعہ سعدیہ کو معیز کے لیے بہت چاہتی ہے مگر رابعہ کے حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ اس کی بھابی اور بھائی کے تیور بھی بدل جاتے ہیں۔ وہ سعدیہ کی نسبت کہیں اور طے کر دیتے ہیں۔ سعدیہ کو یہ کہہ کر اس رشتے سے جواب دے دیتے ہیں کہ ہم اپنی بیٹی کو کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتے۔ چار پانچ ہزار کمانے والا کاریگر کبھی بھی اس کی بیٹی کے لائق نہیں ہو سکتا۔ میرا ہونے والا داماد اسسٹنٹ کمشنر ہے۔

سعدیہ اپنے خاندان کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ معیز کو اس کی خوبصورتی کا احساس بھی تھا۔ اگر وہ ان برے حالات کا شکار نہ ہوتا تو بری طرح سعدیہ کے عشق میں گرفتار ہو جاتا لیکن اس نے ہمیشہ اپنے ساتھ سعدیہ کا ہتک آمیز سلوک دیکھا تھا۔ وہ بہت نازوں سے پلی تھی اور اسے اپنی دولت اور حسن پر بہت غرور تھا۔ جب رابعہ معیز سے سعدیہ کے رشتے کا گلا کرتیں تو وہ اپنی ماں سے کہتا کہ میں بہت سادہ سا بندہ ہوں۔ میں زندگی بہت آرام سے گزارنا چاہتا ہوں۔ بیوی خوبصورت ہو نہ ہو مگر اس کی فطرت ضرور اچھی ہو۔ وہ آپ کی اور میری عزت کرے۔ آپ کی بھتیجی میں کوئی بھی ایسی خوبی موجود نہیں ہے۔ وہ اپنے چھوٹے ماموں کے ہتک آمیز رویے کے بعد اپنی ماں کے ساتھ ماموں کا گھر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ گھر چھوڑنے کے بعد اپنی ماں کو ایک چھوٹے مگر ویل فرنشڈ گھر میں لے گیا۔ رابعہ کے اسرار پر معیز نے اسے بتایا کہ ولید سے اس کی دوستی فورتھ کلاس میں ہوئی تھی۔ جب معیز آٹھویں کلاس میں تھا تو اس نے ولید سے کہا کہ وہ اس کے ابو کی فیکٹری میں کام سیکھنا چاہتا ہے۔ شروع شروع میں ولید کے والد اسے دو گھنٹے سے زیادہ فیکٹری میں رکنے نہیں دیتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ولید کے باپ کو معیز کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ پہلے وہ لیدر کی جیکٹس کسی دوسری فیکٹری سے تیار کرواتے تھے اور پھر اپنی پیکنگ اور کمپنی کے ٹیگ کے ساتھ ایکسپورٹ کر دیتے تھے۔

ولید کے والد کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ولید امریکہ سے اپنی تعلیم چھوڑ کر واپس آ گیا۔ جب وہ امتحان دینے کے لیے دوبارہ امریکہ گیا تو وہ معیز کو پاور آف اٹارنی دے گیا تھا۔ ولید اور معیز نے کاروبار میں بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے مگر قسمت کی دیوی سے مایوس نہیں ہوئے۔ انھوں نے گھر اور فیکٹری پر بنک سے لون لے لیا۔ انھوں نے دن رات محنت کی اور ان کی محنت رنگ لائی۔ جلد ہی ان کا کاروبار چمک اٹھا اور ان کے پاس جیکٹس کے آرڈرز کی ایک لمبی لائن لگ گئی۔ معیز فیکٹری میں پروڈکشن مینیجر کے طور پر کام کرتا تھا اور ڈیزائینگ کے شعبے کا انچارج تھا۔ اسے اب تیس ہزار کے قریب تنخواہ ملتی تھی اور بہت سی دوسری سہولیات بھی مگر پھر بھی وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہ اپنی الگ فیکٹری لگانا چاہتا تھا ۔ وہ ولید کے ساتھ مل کر فیکٹری لگا لیتا ہے۔ پہلے اسے روپیا کمانے کے لیے محنت کرنی پڑتی تھی اب روپیا اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ جس چیز کو ہاتھ سے چھوتا وہ سونا بن جاتی۔

عائشہ حسن سے معیز کی ملاقات اس کی ماں کے حادثے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ عائشہ معیز کے ہمسائے میں رہتی تھی۔ رابعہ کو عائشہ سے ملنے کا جتنا اشتیاق تھا وہ ان سے اتنا ہی کتراتی تھی۔ معیز بھی عائشہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور عائشہ سے میل ملاقات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جب معیز اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ معیز کو اپنی داستان غم سناتی ہے کہ اس کی اپنے باپ سے بہت دوستی تھی۔ جب اس کے والد فوت ہوئے تو اس وقت اس کی عمر سولہ سال تھی۔ اس کے والد ایک بہت اچھے انسان تھے جو ہمیشہ سب کی مدد کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا اور نہ کبھی کسی کو دھوکہ دیا۔ معیز بھی اپنے حالات اور اپنے رشتے داروں کے بارے میں عائشہ حسن کو بتاتا ہے ۔ وہ معیز کو یہ بھی بتاتی ہے کہ کیسے اس کے کزن نے اسے دھوکہ دیا اور اس نے نشہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے پہلے زندگی کی غم کی وادی کو فراموش کرنے کے لیے ڈرنک کے بعد کوکین اور پھر ہیروئن پینی شروع کی۔ اسے سہارا چاہیے تھا اور محبت کے چند لفظ چاہیے تھے۔ اس نے بہت تنگی برداشت کی۔ رشتے داروں کے ہاتھوں بہت ذلت اٹھائی۔ وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتی ہے کہ وہ لاشعوری طور پر معیز کے قریب آنے لگی تھی۔ وہ اپنے اس ماضی کو دفن کر دینا چاہتی تھی مگر ماضی دفن نہیں ہوتا۔ معیز سے رابطے کے بعد اس نے ڈرگز کا استعمال کرنا بند کر دیا تھا۔ ان سب خامیوں کے باوجود اس میں بہت ایثار اور خلوص تھا۔ معیز نے اسے اپنے لیے چن لیا تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے واکنگ ٹریک پر چل رہی تھی۔

انسانی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی جب تک اس نے اپنی زبان ہر شعبہ میں ذریعہ اظہار نہیں بنایا۔ کم و بیش تمام اردو میں لکھنے والے ادیب بلاجواز انگریزی الفاظ کو اپنی تحریروں میں استعمال کر رہے ہیں۔ اپنی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان سیکھنا جرم تو نہیں مگر اپنی زبان کو ترک کرنا ایسا

جرم ہے جو ہمیں تنزلی کی طرف دھکیل دے گا۔ مقبول عام فکشن لکھنے والے ادیب انگریزی کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ حکومتی سطح پر ہمیشہ انگریزی کو اہمیت دی گئی ہے۔ لسانی استعماریت کے اثرات ہماری روزمرہ گفتگو میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ پاکستان کے نوجوان اور نونہال اپنی تہذیب اور مذہبی تعلیم کو بھلا کر مغربی طرز زندگی اور زبان کو اپنا رہے ہیں۔ یہ وبا یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہم اپنی روزمرہ گفتگو میں اچھے بھلے اور خوبصورت اردو الفاظ کو چھوڑ کر جان بوجھ کر ارادتاً اور بطور فیشن انگریزی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم میں بعض ایسے مہذب لوگ بھی ہیں جو دو تین انگریزی الفاظ اور ایک آدھ اردو کا جملہ اپنی زبان سے بولتے ہیں۔ ایسی صورت حال عمیرہ احمد کے ناول آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں نظر آتی ہے۔ اس ناول کے تمام کردار ایسی ہی زبان بولتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اس ناول میں بہت سے انگریزی الفاظ کو بلاواسطہ استعمال کیا ہے۔ ان الفاظ کے بہترین اردو متبادل موجود ہیں مگر عمیرہ احمد نے پھر انگریزی الفاظ کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔ ان انگریزی الفاظ کی مثالیں درج ذیل جملوں میں دیکھی جا سکتی ہیں:

۱۔ رابعہ تو اب وہ اسٹیٹس کھو چکی تھیں۔[۲]

۲۔ ہر بار اس کا رزلٹ دیکھ کر رابعہ کا سیروں خون بڑھ جاتا۔[۳]

۳۔ ساری بریک تو انتظار میں ہی گزر جاتی۔[۴]

۴۔ آگے کالج میں ایڈمشن لے گا۔[۵]

۵۔ اب تو میں پارٹ ٹائم کام کر کے ہزار ڈیڑھ کم لیتا ہوں۔[۶]

۶۔ ولید کلاس کا سب سے قابل اسٹوڈنٹ تھا۔[۷]

۷۔ ولید کے ڈیڈی نے پہلے تو بالکل انکار کر دیا۔[۸]

۸۔ راشد صاحب اپنے مقدمے کے سلسلے میں کورٹس کے معاملات سے نبٹا کرتے تھے۔[۹]

۹۔ ولید کو شاک لگا تھا۔[۱۰]

۱۰۔ اس نے اپنی فیکٹری اور گھر پر بینک سے لون لے لیا تھا۔[۱۱]

۱۱۔ اس دن انھوں نے اصرار کر کے ان کا اڈریس لیا تھا۔[۱۲]

۱۲۔ اس نے اپنی کچھ جیولری ہمیں دی دی تھی۔ ۱۳

۱۳۔ آپ پلیز بیٹھیں۔ ۱۴

۱۴۔ پہلے میں گھر کو سپورٹ کرتی تھی۔ ۱۵

۱۵۔ تمہارے آفس میں تمہاری ریپوٹیشن بہت اچھی ہے۔ ۱۶

مندرجہ بالا جملوں میں عمیرہ احمد نے جو انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں ان کے بہترین متبادل الفاظ اردو زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً اسٹیٹس کا مقام و مرتبہ، رزلٹ کا نتیجہ، بریک کا تفریح، ایڈمشن کا داخلہ، پارٹ ٹائم کا اضافی وقت، اسٹوڈنٹ کا طالب علم، ڈیڈی کا والد یا باپ، کورٹس کا عدالت، شاک کا صدمہ، لون کا قرض، اڈریس کا پتا، جیولری کا زیورات، پلیز کا برائے مہربانی، سپورٹ کا کفالت کرنا اور ریپوٹیشن کا شہرت متبادل ہے۔ ان جملوں میں کم و بیش عمیرہ احمد نے وہ انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں جو بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور ان کے اردو متبادلات اردو زبان کے پیش منظر سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان الفاظ کا استعمال اردو زبان سے محبت کرنے والوں کے ذہنوں میں سوالات اٹھاتا ہے کہ جس معاشرے میں زبان کے وارث موجود نہ ہوں وہ زبان اکیلی کب تک اپنی بقا کی جنگ لڑے گی۔ الفاظ کے وارث معاشرے کے معزز اور مہذب افراد ہیں جو علوم کی ترویج و اشاعت کرتے ہیں مثلاً معلم، مبلغ، ادیب، شاعر، آرٹسٹ اور دانش ور۔ اردو زبان کے وارثین میں ہمارے ادیبوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی زبان پر انگریزی زبان کو ترجیح دے رہے ہیں۔

ناول آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں عمیرہ احمد نے دو قسم کے مرکب الفاظ کا ستعمال کیا ہے: انگریزی مرکب الفاظ کا استعمال اور اردو اور انگریزی کی آمیزش سے بنے مرکب الفاظ کا استعمال۔ ان مرکب الفاظ کی مثالیں نیچے دیے گئے جملوں میں موجود ہیں:

۱۔ وہ تعلیم میں اچھا تھا لیکن آؤٹ اسٹینڈنگ نہیں تھا۔ ۱۷

۲۔ ویسے بھی وہ جس سوشل اسٹیٹس کی حامل تھیں، وہ متقاضی تھا۔ ۱۸

۳۔ ایک چھوٹا مگر ویل فرنشڈ روم رابعہ کی نظروں کے سامنے تھا۔ ۱۹

۴۔ مکس گیدرنگ تھی۔ ۲۰

۵۔ اس کے ورکنگ پارٹنر تم ہوگے۔۲۱؎

۶۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا۔۲۲؎

۷۔ وہ دور جاگنگ ٹریک پر بھاگتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔۲۳؎

۸۔ پھر بھی کسی ڈرگ ایڈکٹ سے شادی کرنے کا فیصلہ کافی مشکل تھا۔۲۴؎

ان مرکب الفاظ کی مثالیں درج ذیل ہیں جو ایک اردو لفظ اور ایک انگریزی لفظ کے ملاپ سے بنے ہیں:

۱۔ کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ پیپرز دیکھ رہا تھا۔۲۵؎

۲۔ جس فرم کے نام سے وہ ساری ایکسپورٹ کرتے تھے۔۲۶؎

۳۔ ساٹھ پرسنٹ تمہارے اور چالیس پرسنٹ میرے۔۲۷؎

۴۔ ان کی پوری فیملی کو کھانے پر بلائیں۔۲۸؎

۵۔ کیا آپ کے مقدر میں میرے جیسی کرپٹ لڑکی ہونی چاہیے۔۲۹؎

مندرجہ بالا ایک سے آٹھ جملوں میں عمیرہ احمد نے انگریزی مرکب الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ یہ انگریزی مرکب الفاظ آؤٹ اسٹینڈنگ، سوشل اسٹیٹس، ویل فرنشڈ روم، مکس گیدرنگ، ورکنگ پارٹنر، چیک اپ، جاگنگ ٹریک اور ڈرگ ایڈکٹ ہیں جبکہ ان کے اردو متبادلات شاندار، سماجی مقام و مرتبہ، خوب آراستہ کمرہ، اختلاط اجتماع، رفیق کار، معائنہ کرنا، آہستہ چلنے کا راستہ اور نشئی ہیں۔ ایسے ہی بہت سے انگریزی مرکب الفاظ انھوں نے ناول میں استعمال کیے ہیں۔ مندرجہ بالا ایک سے پانچ تک جملوں میں اردو اور انگریزی الفاظ پر مشتمل مرکب الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کی مثالیں کچھ پیپرز، ساری ایکسپورٹ، ساٹھ پرسنٹ، چالیس پرسنٹ، پوری فیملی اور کرپٹ لڑکی ہیں۔ ان الفاظ کے استعمال سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ادیب اردو زبان کے اچھے اور مقبول الفاظ ترک کر کے ان کی جگہ انگریزی الفاظ ٹھونس رہے ہیں۔

انگریزی الفاظ مقبول عام فکشن کے ذریعے بھی ہماری روزمرہ گفتگو کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ عمیرہ احمد سمیت ہمارے دیگر ادیبوں کا اردو زبان کے عام الفاظ سے لاتعلقی کے اظہار سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ اپنی فکشن میں انگریزی زبان کے الفاظ استعمال نہ کریں تو شاید وہ ادب کے منظر نامے پے نمایاں مقام

حاصل نہیں کر سکیں گے۔اپنے زبان وادب کی حفاظت ہر ادیب پر فرض ہے کیونکہ اس کا خمیر تو اردو زبان بولنے والوں کی مٹی سے ہی اٹھا ہے۔اگر ادیب اپنی فکشن میں انگریزی الفاظ اور جملوں کا استعمال نہ بھی کریں تو اس سے ان کے مقام و مرتبے میں کوئی فرق نہیں آئے گا کیونکہ جہاں ان کی تحریریں پڑھی جا رہی ہیں وہاں اردو بولنے اور اردو سے محبت کرنے والے لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔

ناول آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں عمیرہ احمد نے بہت سی جگہوں پر ایسے جملے استعمال کیے ہیں جو اکثر اوقات ہمارے میڈیا پر سننے میں آتے ہیں۔ان جملوں کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ اسکول سے آکر کسی کونے میں اپنا بیگ لے کر بیٹھ جاتا اور ہوم ورک کرتا رہتا، جب ہوم ورک ختم ہو جاتا تو پھر ڈرائنگ کرنے لگتا۔۳۰

۲۔ پھر اپنی پیکنگ اور اپنی کمپنی کے ٹیگ کے ساتھ اسے ایکسپورٹ کر دیتے تھے۔۳۱

۳۔ تیرہ سال کا وہ لڑکا سولہ سال تک پہنچتے پہنچتے نہ صرف جیکٹ کی کٹنگ، سیونگ بلکہ ڈیزائننگ میں بھی ماہر ہو چکا تھا۔۳۲

۴۔ لیدر سے وہ سپورٹس گڈز کی طرف آیا اور پھر کارپٹ انڈسٹری کی طرف۔۳۳

۵۔ میں نے ایک سینٹر جوائن کیا اور ڈرگز کو چھوڑ دیا۔۳۴

عصر حاضر کا الیکٹرانک میڈیا اردو زبان کی مزید زبوں حالی کا سبب بن رہا ہے۔ادب کے علاوہ میڈیا میں اردو زبان کا جو استعمال ہو رہا ہے بعض اوقات سمجھ سے بالاتر ہو جاتا ہے کہ میڈیا اپنی قومی زبان کی ترویج واشاعت کی بجائے انگریزی زبان کی ترویج واشاعت کر رہا ہے۔پاکستانی میڈیا کے تمام چینلز پر اردو زبان میں بہتات کے ساتھ انگریزی الفاظ شامل کر کے بولے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ خبریں پڑھنے والے اور پروگرام کے میزبان خواتین و حضرات قومی زبان میں انگریزی الفاظ شامل کر کے گفتگو کرتے ہیں۔ان کے جملوں میں انگریزی الفاظ کی کثرت ہوتی ہے۔ناول کے متن سے مندرجہ بالا جملوں کی مثالیں میڈیا پر بولی جانے والی زبان کی مثالیں ہیں۔

عمیرہ احمد نے اپنے تینوں ناولوں میری ذات ذرہ بے نشاں، یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے اور آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ان میں سے بہت سے انگریزی الفاظ ایسے ہیں جن کے مسلسل استعمال سے ان کے متبادل اردو الفاظ اردو کے استعمال کے منظر نامے سے

غائب ہوتے جارہے ہیں۔انھوں نے ان ناولوں میں انگریزی جملوں کا استعمال بھی کیا ہے۔یہ تینوں ناول بہت مختصر ہیں مگر ان میں انگریزی الفاظ کی بہتات ہے۔انھوں نے بلاواسطہ انگریزی الفاظ کا استعمال زیادہ کیا ہے۔کہیں کہیں انگریزی جملوں کا اردو ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ان کے تینوں ناولوں میں استعمال ہونے والے انگریزی الفاظ اور ان کے اردو معنی نیچے دی گئی فرہنگ میں دیے گئے ہیں:

Academy	درسگاہ، مدرسہ
Accident	حادثہ، ناگہانی واقعہ، اتفاق
Actress	اداکارہ، ڈرامہ یا فلم میں کام کرنے والی عورت
Address	تقریر، پتہ خطاب
Adjust	ہم آہنگ کرنا، موافق بنانا، بیمہ کاری
Admission	داخلہ، گزر، پہنچ، اقرار
After all	آخر کار، بحثیت مجموعی
Any time	کسی وقت۔کسی حالت میں
Apply	اطلاق کرنا، منبطق کرنا
Approach	نزدیک ہونا، مکانی یا زمانی طور، طرز نظر
Attend	ساتھ حاضر رہنا، ساتھ رہنا، شرکت، حاضر ہونا
Attract	کشش کرنا، کھینچنا
Avail	مدد دینا، فائدہ پہنچانا فائدہ
Account	خانگی حساب
Background	پس منظر، سابقہ تجربہ، تصویر کا وہ حصہ جو ناظر کی رسائی سے دور ہو
Bathroom	غسل خانہ
Beautician	آرائش گر
Bell	گھنٹی
Black Mail	سیاہ معاہدہ، غنڈا ٹیکس، ناجائز دباؤ

Black shirt	سیاہ قمیض
Boating	کشتی رانی
Boiled	ابلا ہوا، جوش دیا ہوا، کھولا ہوا
Booking	کتاب میں اندراج کرنا، سیٹ یا نشست محفوظ کرنا
Boycott	مقاطع کرنا، تعلقات کو توڑ دینا
Broad minded	کشادہ ذہن، غیر متعصب
Business	کاروبار
Canteen	کینٹین، دفتر یا سکول کی دکان، برتن یا شراب رکھنے کا خانے دار صندوق
Career	چال، طرز زندگی، پیشہ، کام
Category	قسم، درجہ
Centre	مرکز، وسطی نقطہ
Chair	کرسی
Challenge	دعوت مبازرت، للکار،
Chance	موقع، اتفاق
Check up	معائنہ کرنا، پڑتال کرنا، آزمائش
Clear	صاف کرنا، واضح کرنا، ابہام دور کرنا
Colored	رنگ دار، رنگین، بناوٹی، مصنوعی
Company	رفاقت، معیت، ساتھ، سنگت
Compromise	سمجھوتا، مفاہمت، اعتدال
Contact	ربط، تعلق، اتصال، متصل، رابطہ کرنا
Control	روکنا، ضابطے میں لانا، قابو میں رکھنا
Conservative	قدامت پسند۔ اعتدال پسند
Corrupt	بداخلاق، بدعنوان، رشوت دینا

Cot	پلنگ کا ڈھانچہ، کھاٹ، بچوں کا پنگوڑا
Cousin	چچا، ماموں، پھوپھی یا خالہ کا لڑکا/لڑکی
Cutting	کترنا، کاٹنا، زخم
Daddy	باپ، ابا، والد
Deal	تدبیر کرنا، کاروبار کرنا، پیش آنا
Death	موت، وفات، اجل، انتقال
Decorate	سنگارنا، سجانا، سنوارنا
Defend	دفاع کرنا، حملہ روکنا، بچانا
Demands	مطالبہ، تقاضا، مانگ
Depression	ذہنی دباؤ، سستی، افسردگی
Design	نمونہ تیار کرنا، خاکہ تیار کرنا، سازش کرنا، تدبیر کرنا
Diary	روزنامچہ
Dinner	ظہرانہ، عشائیہ، رات کا کھانا
Disturb	بے چین کرنا، خلل ڈالنا، درہم برہم کرنا
Divorce	خلع، طلاق، علیحدگی
Doctor	معالج، طبیب، حکیم
Documents	دستاویز، سند، قانونی تحریر
Drink	مشروب، پینا، جذب کرنا
Dustbin	کوڑے دان
Eastern	مشرقی، مشرقی رو، مشرق میں واقع
End	آخر، سرا، حد، انتہا، انت
Engagement	مصروفیت، مشغولیت، منگنی یا نسبت
English	انگریزی
Enjoy	لطف اٹھانا، مزے لینا، لذت لینا

Establish	نصب کرنا، مستحکم کرنا، قائم کرنا، رواج دینا
Eternity	جاودانی، دوام، ازل، ابد
European	یورپی، فرنگی، یورپ کا باشندہ
Excuse	معافی، معذرت، عذر
Export	برآمد کرنا
Family	خاندان، گھرانا
Father	والد، باپ، ابو، سرپرست
Feeling	احساس، تاثر، جذبہ، خیال
Final	آخری، قطعی، ناطق
Flight	اڑان، پرواز، ہوائی سفر
Flirt	دکھاوے کی محبت، دھوکے باز
Floor	فرش، کوئی چپٹی سطح
Follow	تعاقب کرنا، پیروی کرنا، پیچھے پیچھے آنا
Food	اشیائے خوردنی، خوراک، غذا
Frank	باتکلف، کھرا، صاف گو
Fraud	دغا، فریب
Freeze	منجمد ہونا، یخ بستہ ہونا، سردی سے جم جانا
French	اہل فرانس، فرانسیسی، فرانسیسی زبان
Fresh	تازہ، جدید، نیا، روشن
Front	پیشانی، سامنے، آگے
Funny	عجیب، نرالا، مضحکہ خیز
Furnished	مکان یا کمرے کو لوازمات سے آراستہ کرنا، سجاوٹ کرنا

Gift	تحفہ، عطیہ
Glamorous	مسحور کن، جمال آرائی، رومانوی کش
Grades	درجہ، مرتبہ، رتبہ
Guard	سرپرست، محافظ، چوکیدار
Guardian	محاظ، مربی، قانونی طور پر ولی
Heart	دل، قلب، جذبات، رجحان
Hospital	ہسپتال، شفاخانہ، دواخانہ
How	کیسے
House keeper	نوکرانی
Ignore	نظرانداز کرنا، مسترد کرنا
Impression	تاثر، اثر، گمان
Incharge	نگران
Inform	خبر دینا، اطلاع دینا، مخبری کرنا
Instruction	ہدایت، تربیت، احکام
Interview	باضابطہ ملاقات، کسی سے مل کر سوال وجواب کرنا
Insult	توہین کرنا، تذلیل کرنا
Invite	دعوت دینا، مدعو کرنا
Involvement	شمولیت، وابستگی، الجھاؤ
Jewellery	زیورات
Job	ملازمت
Join	شریک ہونا، وابستہ ہونا، شامل ہونا
Joint	نقطہ اتصال، متحد ہونا، متصل ہونا
Kitchen	باورچی خانہ
Lecture	درس دینا، تعلیم دینا

Letter	مراسلہ، خط، مکتوب
Liberal	آزاد خیال، کشادہ دل، کریم، فیاض
Light	روشن کرنا، سلگانا، جلانا
Lock	قفل لگانا، تالا لگانا
Lunch	دوپہر کا کھانا
Make up	بناوٹ، سنگھار
Mammy	امی، ماں، ممی
Manager	منتظم، ناظم، کارندہ، کارکن
Materialistic	مادہ پرستی، مادی
Mature	بالغ، پختہ، کامل، پکا ہوا
Medical	طبّی، طب کے متعلق
Menu	کھانوں کی فہرست، کھانوں کی تفصیل
Miss	کسی کو یاد کرنا، بے چین، ناکام رہنا، موقع کھو دینا
Mood	مزاج، خو، طبیعت، انداز، طبع
Mother	ماں، جڑ، اصل
Move	حرکت دینا، چلانا، تحریک دینا، اکسانا
Nervous	عضلاتی، پٹھوں کا، عصبی نسوں سے متعلق
Newspaper	اخبار، روزنامہ
Night gown	رات کا لبادہ، جامہ شب
Normal	باقاعدہ، ٹھیک
Note	نشان، علامت، غور کرنا، دھیان دینا
Notice	آگاہی، خبر، اطلاع
Offer	پیش کرنا، بیچنے کے لیے رکھنا
Office	دفتر، شاخ، عہدہ

Operate	جراحی کرنا، عمل کرنا
Optional	اختیاری، انتخابی
Orders	احکامات، نظام، ترتیب
Outstanding	شاندار
Pack	بنڈل، گھڑی، گھٹا
Painting	رنگ آمیزی، نقاشی
Papa	بابا، ابا
Patches	جوڑ، پیوند، ٹکڑے
Partnership	ساجھا، پتی داری، شراکت، رفاقت
Part Time	جزو قتی، کم وقت کام کرنے والا
Percent	شرح فیصد، ایک شرح، شرح سود
Piece	پرزہ، ٹکڑا
Pistol	پستول
Plan	خاکہ، نقشہ، تجویز، وضع کردہ
Please	خوش کرنا، مطمئن کرنا، راضی کرنا
Pocket money	جیب خرچ
Point	نوک، مقام، جگہ
Position	حالت، حال، صورت، مرتبہ، منصب
Power of attorney	مختار نامہ
Press	دباؤ، کسنا، قوت، وزن
Pressure	دباؤ، سختی، تنگی، مجبوری
Printed	مطبوعہ، چھپا ہوا
Problem	مسئلہ، قضیہ
Programm	منصوبہ، پیش نامہ، لائحہ عمل

Project	منصوبہ، تجویز کرنا، سوچنا
Proposal	تجویز، رائے، پیغام شادی، تدبیر
Pursuit	تلاش، جستجو، تعاقب کرنا
Qualification	اہلیت، قابلیت
Qualities	معیار، خصوصیات
Ready made	بنابنایا، تیار شدہ
Red	سرخ، لال
Rehabilitation	برقراری، بحالی
Reputation	ساکھ، عزت، شہرت
Reserve	مستقبل کے لیے محفوظ رکھنا، باقی رکھنا
Resign	استعفیٰ دینا، ترک کر دینا
Ring	کنڈلی، انگوٹھی،
Role	فرض منصبی، رسمی کام
Romantic	رومانی، محبت، جوشیلا
Salary	تنخواہ، باقاعدہ کام کا معاوضہ
Sample	نمونہ
Schedule	جدول، کسی خاص کام کے سرانجام دینے کا لکھا ہوا طریقہ کار
Seat	نشست
Second	دوسرا
Section	حصہ، ایک حصہ جو بقیہ سے کٹا ہوا ہو
Serve	خدمت کرنا
Settle	بود و باش کرنا، آباد ہونا، بسنا
Shelf	طاق، الماری

Shift	سمت بدلنا، ترتیب بدلنا
Shopping	خریداری
Short hand	مختصر نویسی
Shuffle	ادھر ادھر حرکت کرنا، پاؤں گھسیٹ کر چلنا
Sign	دستخط کرنا
Social	سماجی، معاشرتی
Status	مقام و مرتبہ
Society	معاشرہ، سماج
Sorry	افسوس، پشیمانی، خلش
Start	شروع کرنا
Stone	پتھر، سنگ
Store	گودام، فروش گاہ
Student	طالب علم
Subject	رعایا، موضوع، مضمون
Suit	موافق کرنا، ٹھیک کرنا، زیب دینا
Supervisor	نگراں کار، ناظر
Table	میز
Tension	پریشانی، دباؤ کا عمل
Tent	خیمہ، عارضی رہائش
Top	چوٹی، نوک
Teacher	استاد
Train	تربیت دینا، ریل گاڑی
Try	کوشش کرنا، آزمانا
Turn	موڑنا، محور یا مرکز کے گرد

Type	مثل، نمونہ، نوع
University	جامعہ
Values	اقدار، مالیت
Venture	روانہ ہونا، قسمت آزمائی، اقدام
Wardrobe	کپڑوں کی الماری
Wash basson	سنک، ہاتھ منہ دھونے کا تسلہ
Wanted	مطلوب، ضرورت
Weekened	اختتام ہفتہ، ہفتے کا آخیر
Well	موافق، تسلی بخش، عمدہ
Why	کیوں، کس لیے، کس واسطے
Wife	بیوی، زوجہ، اہلیہ
Writing pad	لکھنے کی کاپی

یہ عمیرہ احمد کے تینوں ناولوں میں وہ انگریزی الفاظ ہیں جو سرسری جائزے کے بعد نکالے گئے ہیں۔ان الفاظ کے علاوہ بہت سے انگریزی الفاظ ایسے ہیں جن کے اردو امتبادلات موجود نہیں ہیں۔اس فرہنگ میں ابھی وہ بے شمار انگریزی مرکب الفاظ بھی شامل نہیں ہیں جو ان ناولوں کے متن میں موجود ہیں۔ان الفاظ کی فرہنگ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو عمیرہ احمد کے پاس مناسب اردو ذخیرہ الفاظ موجود نہیں یا وہ شعوری اور لاشعوری طور پر انگریزی الفاظ کو ناولوں کے متن میں شامل کرتی جاتی ہیں۔ہماری نظر اس حقیقت کی طرف بھی جانی چاہیے کہ عمیرہ احمد کا تعلق اس پاکستانی معاشرے سے ہے جس پر انگریزی زبان کا راج ہے۔عمیرہ احمد نے بھی انہی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے جہاں انگریزی زبان کو اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں پر برتری اور فضیلت حاصل ہے۔عمیرہ احمد کے کردار بھی اسی معاشرے میں رہتے ہیں جہاں کا میڈیا انگریزی زبان کو دیوی بنا کر پوجتا ہے۔اگر میڈیا کی زبان کا جائزہ لیا جائے تو عمیرہ احمد کے بہت سے کردار میڈیا کی زبان بولتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔مثلاً:

"ویٹر سوفٹ ڈرنک سرو کرنے آیا تھا"۔۳۸

حوالہ جات

۱۔ https://www.bbc.com/urdu/world-44223719

۲۔ عمیرہ احمد، آؤ ہم پہلا قدم دھرتے ہیں، (لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۴۴۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۴۶۔

۵۔ ایضاً، ص 7 ۱۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۶۱۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶۴۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۰۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۶۲۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۶۴۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۴۔

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۴۳۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۶۲۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۶۶۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۶۲۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۳۵۔ جمیل جالبی، قومی انگریزی اردو لغت، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء)۔

۳۶۔ https://en.oxforddictionaries.com/definition/urdu

۳۷۔ https://india.oup.com/product/oxford-english-english-urdu-dictionary-9780198081784

۳۸۔ عمیرہ احمد، یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے، (لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۱۲ء)، ص ۸۹۔

ماحصل

ماحصل

زیر نظر تحقیقی مقالے میں عمیرہ احمد کے مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی اور سماجی تناظر کی روشنی میں مطالعہ کیا گیا ہے۔ عمیرہ احمد پاکستان کی مشہور و معروف ناول نگار ہیں۔ اردو زبان سے تعلق رکھنے والے ہر عمر کے لوگ ان کے ناولوں کا ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے ہیں۔ عوامی تخیل کی تشکیل میں مقبول عام فکشن کا سب سے زیادہ ہاتھ ہوتا ہے۔ بالخصوص ہماری نوجوان نسل عمیرہ احمد، نمرہ احمد اور فرحت اشتیاق کو گہری دلچسپی سے پڑھتی ہے۔ مقبول عام ادب کو ادب برائے ادب کے زمرے میں رکھا جاتا ہے پھر بھی اس کا ہماری نوجوان نسل کے تصور کائنات پر گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ عمیرہ احمد نے اپنے ناولوں میں پاکستان کی معاشرتی زندگی کی حقیقی تصویریں پیش کی ہیں۔ معاشرتی زندگی میں زبان بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور پاکستانی معاشرے کی زبان پر لسانی استعماریت کا راج نظر آتا ہے۔ برصغیر کی آزادی کے بعد انگریز تو یہاں سے چلے گئے مگر آج بھی وہ ہماری زندگی کے ہر شعبے پر راج کر رہے ہیں۔

لفظ سامراج سے مراد طاقتور اقوام کے افراد کا کمزور اقوام کے افراد پر غلبہ یا اقتدار ہے۔ ماضی کے سامراجی نظام میں برطانوی سامراجی آقاؤں نے انگریزی زبان کو ہندوستان میں متعارف کروایا۔ نوآبادیاتی نظام میں انھوں نے انگریزی زبان کو اپنے تسلط اور غلبے کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ انگریز قوم اور انگریزی زبان نے ہندوستانیوں کے تمام شعبہ زندگی کو متاثر کیا۔ انھوں نے اپنے غلاموں میں مذہبی، طبقاتی اور لسانی تقسیم کو جنم دیا۔ تمام تعلیمی ادارے انگلستان کے تعلیمی اداروں کے طرز پر بنائے۔ مغربی علوم اور انگریزی زبان و ادب کو ہندوستانیوں پر تھوپنے کی کوشش کی۔ انگریزی زبان کے انجذاب نے برصغیر کے تہذیبی و ثقافتی ورثے اور تاریخ کو مسخ کر دیا۔

یورپی اقوام دنیا کے پس ماندہ ممالک اور اپنی سابقہ نوآبادیوں کے لیے تیسری دنیا کی اصطلاح استعمال کرتی ہیں۔ پاکستان یورپی ممالک کی سابقہ نوآبادی ہے جس میں انگریزی زبان کے پھیلاؤ سے اردو زبان کے بہت سے الفاظ تیزی سے اس کے منظر نامے سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ انگریزی زبان کی ترقی میں انگریزی ذریعہ تعلیم، مقبول عام ادب میں انگریزی الفاظ کا استعمال، میڈیا پر کوڈ مکسڈ زبان کا استعمال اور سرکار کی اردو زبان رائج کرنے کے لیے

غفلت اہم عوامل ہیں۔ ملازمت کے حصول میں ان افراد کو ترجیح دی جاتی ہے جو انگریزی زبان بولنے اور لکھنے میں مہارت رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر پاکستانی کی کوشش ہے کہ وہ انگریزی زبان کو ترجیحی بنیادوں پر سیکھے۔

رابرٹ فلپسن کا لسانی استعماریت کے حوالے سے کہنا ہے کہ سامراجی نظریہ ایک ایسے تصوراتی ڈھانچے پر مشتمل ہے جس میں پوری دنیا میں زبان کے غلبے اور اس کی ترقی کے لیے کوششوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ سائنس پر اجارہ داری، میڈیا پر اجارہ داری اور تعلیمی نظام پر اجارہ داری ثقافتی سامراجیت کی ہی ذیلی اقسام ہیں۔ ایسے ہی لسانی استعماریت ہے ۔ لسانی استعماریت سامراجیت کی تمام صورتوں میں سرایت کیے ہوئے ہے ۔ لہذا زبان ان صورتوں کے اظہار کا ذریعہ ہے ۔ فلپسن کے مطابق انگریزی زبان کی بالادستی قائم کرنے میں دو عوامل بہت اہم ہیں :ایک ماہر لسانیات اور دوسرا انگریزی ذریعہ تعلیم۔

شعوری اور لاشعوری طور پر انگریزی زبان کے الفاظ مقامی زبانوں میں شامل ہوتے جارہے ہیں جس سے ان زبانوں کے ختم ہونے کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ اہل زبان کے دانش ور استعماری اجارہ داری کو ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ کسی بھی زبان کا ختم ہو جانا اس کے تہذیبی و ثقافتی ورثے کا ختم ہو جانا ہے ۔ لسانی استعماریت سے سب سے زیادہ خطرہ اقلیتی زبانوں کو لاحق ہے ۔ اقلیتی زبانوں کے ختم ہو جانے سے ان میں موجود بہت سا قیمتی ادبی سرمایہ بھی ختم ہو جائے گا ۔ مغربی اقوام کی لسانی اور سامراجی اجارہ داری سے مشرقی اقوام ان کی تہذیب و ثقافت ، نظریات اور علوم پر انحصار کرنے لگی ہے۔ تیسری دنیا کی اقوام میں یہ شعور راسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ انگریزی زبان سیکھے بغیر وہ ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑی نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ صورت حال اس کے برعکس ہے کیونکہ ترقی کی بنیاد زبان نہیں بلکہ تحقیق ہے۔ کسی بھی زبان کے ختم ہو جانے سے اس کی کئی نسلوں کی تاریخ ختم ہو جاتی ہے اور یورپی اقوام تیسری دنیا کی تاریخ ختم کر دینے کے درپے ہیں۔

پاکستان میں انگریزی اور اردو زبان کے درمیان لسانی تعصب یورپی اقوام کی دین ہے۔ دنیا کا ہر ملک سرکاری سطح پر اپنی زبان کو اہمیت دیتا ہے مگر ہماری قومی زبان اردو اور سرکاری زبان انگریزی ہے۔ ایک خاص طبقہ اردو زبان میں بات کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا اور انگریزی بولنے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ متوسط طبقہ اسی طبقے کی پیروی میں احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی روزمرہ گفتگو میں کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اردو زبان میں انگریزی الفاظ کی شمولیت بڑھتی جارہی ہے۔

براج بہاری کچرو ایک ہندوستانی ماہر لسانیات تھے۔ کچرو کے مطابق انڈیا میں انگریزی زبان مختلف انداز سے استعمال ہوتی ہے۔ انگریزی زبان انڈین ثقافت میں جذب ہو چکی ہے اور اس کے لسانی ڈھانچے پر اثرات مرتب کر رہی

ہے۔ یہ بات کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہو گی کہ انگریزی کا شمار دنیا کی تین بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ انگریزی زبان پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اگر انڈیا کے حوالے سے دیکھا جائے تو انڈیا دنیا کا واحد جمہوری ملک ہے جس میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد انگریزی کے مقام و مرتبے میں خصوصی اضافہ ہوا ہے ۔ جہاں تک ہندوستانیوں کی نفسیات کا تعلق ہے تو انگریزی زبان ان کی ذات، نسل، فرقے اور روایات کی زبان بن چکی ہے۔

انگریزی زبان کے پھیلاؤ میں یورپی اقوام کی سامراجی آئیڈیالوجی پوشیدہ ہے۔ انگریزی زبان کی ترقی سے انگریز قوم کا کلچر پاکستانی معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے ذہنوں پر انگریزی زبان کی عظمت راسخ ہوتی جا رہی ہے اور وہ اپنے زبان و ادب سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ مغربی ادب اور تہذیب و ثقافت کو اعلیٰ و ارفع سمجھنے لگے ہیں۔ انگریزی زبان کا استعمال پاکستانی قوم کے لیے باعث فخر اور اردو زبان کا استعمال باعث ندامت بنتا جا رہا ہے۔ ابھی تک ہمارے ذہنوں پر انگریزی زبان کی حکومت ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی گفتگو میں جگہ جگہ انگریزی الفاظ کا استعمال کر کے اپنے پڑھے لکھے ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اگر پاکستانی ثقافت پر لسانی استعماریت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے اثرات بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ حالیہ چند برسوں سے ہمارے معاشرے پر انگریزی زبان اور میڈیا کے ذریعے مغربی رجحانات تیزی سے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ہم نے اپنی مذہبی، قومی، ثقافتی اور معاشرتی اقدار میں دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت اور روایات کو اپنانا شروع کر دیا ہے۔ جدیدیت کے چکر میں ہم اپنی زبان اور ثقافت سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔

زیر نظر مقالے میں عمیرہ احمد کے تین مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کا سیاسی اور سماجی تناظر میں جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ محض عمیرہ احمد ہی اپنی فکشن میں انگریزی الفاظ کا استعمال نہیں کر رہیں بلکہ انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ہمیں اردو ادب کے نمایاں اور ممتاز ادیبوں کے ہاں ملتا ہے جن میں بانو قدسیہ ، مستنصر حسین تارڑ، شمس الرحمٰن فاروقی، عبداللہ حسین اور مرزا اطہر بیگ شامل ہیں۔ مقبول عام فکشن لکھنے والے ادیب انگریزی الفاظ اور فقرات کو شعوری اور لاشعوری طور پر اپنے ناولوں کے متن کا حصہ بنا دیتے ہیں۔

عمیرہ احمد کا تعلق بھی تیسری دنیا کے ملک پاکستان سے ہے جہاں ماضی میں طویل عرصے تک انگریز قوم کا سامراجی نظام قائم رہا۔ آزادی حاصل کرنے کے اتنے عرصے بعد بھی ہماری زبان اور ادب پر استعماریت کی مختلف شکلوں کا راج ہے۔ عمیرہ احمد عصر حاضر میں پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی خاتون ناول نگار ہیں۔ ان کی فکشن پاکستانی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے۔ عصر حاضر کے منظر نامے پر دیگر ناول نگاروں کی طرح

عمیرہ احمد کے ناولوں میری ذات ذرہ بے نشاں ،یہ جو ایک صبح کا ستارہ ہے اور آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں کثرت سے انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے جس سے اردو زبان اور پاکستانی معاشرے پر کچھ اچھے اثرات مرتب نہیں ہو رہے ۔اس لسانی استعماریت سے نہ صرف انگریز قوم کی زبان بلکہ ان کا طرز زندگی بھی ہماری نوجوان نسل کو اپنی طرف راغب کر رہا ہے جس سے ہماری قوم میں اپنی قومی زبان کے بارے میں احساس کمتری جنم لے رہا ہے۔ان تینوں ناولوں کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ عمیرہ احمد نے اپنے ان ناولوں میں پاکستان کی معاشرتی زندگی کا عکس پیش کیا ہے اور پاکستان میں ایسی ہی زبان بولی جا رہی ہے۔ پاکستانی معاشرے پر انگریزی زبان کی استعماریت کا راج ہے اور پاکستانی اردو زبان میں بلا جواز انگریزی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان الفاظ کے بہترین متبادل اردو میں موجود ہیں۔ان کے ناولوں کی کہانیوں میں ربط و تسلسل موجود ہے اور واقعات کی ایک کڑی دوسری کڑی میں پیوست ہے۔

عمیرہ احمد کے کردار پاکستانی کرداروں کی زبان میں ہی بات کرتے ہیں۔ کوڈ مکسنگ اور کوڈ شفٹنگ کی بہت سی مثالیں ان تینوں ناولوں میں موجود ہیں۔ کوڈ مکسنگ یا کوڈ شفٹنگ کے عمل سے ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کوڈ مکسنگ سے کسی بھی زبان پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اس سے مقامی زبان کے الفاظ آہستہ آہستہ زبان کے منظر نامے سے غائب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ کوڈ مکسنگ کے عمل میں دانشور، تعلیم یافتہ اور امیر طبقہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ناول کے مطالعے کے دوران قارئین شعوری اور لاشعوری طور پر انگریزی الفاظ کو سیکھ جاتے ہیں۔وہ نہ صرف یہ الفاظ سیکھ لیتے ہیں بلکہ اپنی عام روز مرہ بول چال میں بھی استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔عمیرہ احمد اپنے ان تینوں ناولوں میں بہت سے انگریزی الفاظ کو ترجمہ کرنے کی بجائے انہیں بلا واسطہ لکھ دیتی ہیں۔

عمیرہ احمد نے ان تینوں ناولوں میں بہت سے انگریزی مرکب الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔انھوں نے زیادہ تر ناولوں میں Open Compounds کا استعمال کیا ہے۔وہ ایسے انگریزی مرکب الفاظ کو استعمال کرتی ہیں جو عام طور پر پاکستان میں تعلیم یافتہ اور کاروباری افراد استعمال کرتے ہیں۔ یہ مرکب الفاظ ہماری روز مرہ بول چال کا حصہ بنتے جا رہے ہیں جس سے اردو زبان پر کچھ خاص اچھے اثرات مرتب نہیں ہو رہے۔ان مقبول عام ناولوں میں انگریزی الفاظ کے استعمال سے ہماری نوجوان نسل اپنی قومی زبان کا استعمال بھولتی جا رہی ہے ۔ہمارے ماہر لسانیات بھی لسانی استعماریت کے رجحان کو ترقی دے رہے ہیں کیونکہ بہت سے ایسے انگریزی مرکب الفاظ ناولوں میں استعمال ہوئے ہیں جن کے اردو زبان میں متبادل مرکب الفاظ موجود نہیں۔اردو زبان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اس میں نئے الفاظ کی ایک نئی دنیا تخلیق کی جا سکتی ہے مگر کوئی تسلی بخش صورت حال نظر نہیں آتی۔

عمیرہ احمد نے ناول آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں میں بہت سے انگریزی زبان کے جملے براہ راست استعمال کیے ہیں۔ مثلاً Can you operate computer?, Do you know how to type?, That's very good. کچھ جملوں کا انھوں نے اردو ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ عمیرہ احمد نے بہت سے ایسے مرکب الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جن کا ایک لفظ اردو زبان کا ہے اور دوسرا انگریزی زبان کا ہے۔ ایسے الفاظ کی بہت سی مثالیں ان کے ناولوں میں موجود ہیں، مثلاً بندہ فلرٹ، غیر ملکی پارٹی، پچاس فیصد ایکسپورٹس، سارا چارم، خاصا ڈسٹرب وغیرہ۔

ناول کے گہرے مطالعے کے دوران بعض جگہوں پر ایسا بھی محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے پاس اردو الفاظ کا اچھا ذخیرہ موجود نہیں ہے یا وہ شعوری طور پر اردو الفاظ کی بجائے انگریزی الفاظ کو استعمال کر رہی ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ لسانی استعماریت کے زیر اثر ہیں۔ وہ اپنے ناولوں کے متن میں ایک ہی انگریزی لفظ کو بار بار استعمال کرتی ہیں کہیں بھی اس کا اردو متبادل لفظ استعمال نہیں کرتیں۔ ان کے اس طرز تحریر سے یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ بہت سے عام انگریزی الفاظ کے اردو متبادل ان کی یادداشت میں موجود نہیں۔ پاکستانی ہونے کی حیثیت سے عمیرہ احمد اور دیگر ناول نگاروں کو چاہیے کہ وہ اردو زبان میں تحریر کو ترجیح دیں۔ ان کے لسانی استعماریت کے خلاف رویے سے ہی اردو زبان کی بقا کی جنگ لڑی جا سکتی ہے۔

کوئی بھی تخلیق کار محض تخلیق نہیں کرتا بلکہ اس پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنی ادبی روایات کی پاس داری کرے۔ اپنی قومی زبان کو دوسری زبانوں پر ترجیح دے۔ عمیرہ احمد کے ناولوں کے مطالعے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ انگریزی زبان کے استعمال کی چلتی روش پر اپنے آپ کو گامزن رکھے ہوئے ہیں۔

کتابیات

کتابیات

احمد، سر سید خان۔مضامین سر سید۔ علی گڑھ: علم یونی ورسٹی، ۱۹۲۷ء۔

احمد، عمیرہ۔میری ذات ذرہ بے نشاں۔لاہور: زاہدہ نوید پرنٹرز، ۲۰۰۸ء۔

احمد، عمیرہ۔یہ جو اک صبح کا ستارہ ہے۔لاہور: زاہد نوید پرنٹرز، ۲۰۰۸ء۔

احمد، عمیرہ۔آؤ پہلا قدم دھرتے ہیں۔لاہور: زاہد نوید پرنٹرز، ۲۰۰۸ء۔

پینی کک، الاسٹیر۔ *The Cultural Politics of English as an International Language*۔نیویارک: روٹ لیج ٹیلر اینڈ فرانسس گروپ، ۲۰۱۳ء۔

تارڑ، مستنصر حسین۔شہپر۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء۔

جالبی، جمیل۔تاریخ ادب اردو۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء۔

جالبی، جمیل۔قومی انگریز ی اردو لغت۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء۔

حسین، شہبار۔فن ترجمہ نگاری۔مترجم، خلیق انجم۔ نئی دہلی: سنر آفسپرنٹرز، ۱۹۹۲ء۔

خان، مسعود حسین۔اردو کا المیہ۔ علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۷۳ء۔

سکسینہ، رام بابو۔تاریخ ادب اردو۔مترجم مرزا محمد عسکری۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء۔

شاہد، محمد حمید۔بند آنکھوں سے پرے۔لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۴ء۔

فلپسن، رابرٹ۔*Linguistic Imperialism*۔آکسفرڈ: یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۲ء۔

فاروقی، شمس الرحمن۔کئی چاند تھے سر آسماں۔انڈیا: پینگوئین بکس، ۲۰۰۶ء۔

قدسیہ، بانو۔حاصل گھاٹ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔

قدسیہ، بانو۔راجہ گدھ۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء۔

قاسمی، احمد ندیم۔ترتیبو تدوینسیدشوکتعلیشاہ: اردو زبانمسائلاور امکانات۔ مشمولہ مقالاتعالمیاردو کانفرنس ملتان۔لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۴ء۔

کچرو، براج بہاری۔ *The Hand Book of World Englishes*۔ آسٹریلیا: نیو ویل، ۲۰۰۶ء۔

کچرو، براج بہاری۔ *The Indinization of English: The English language in India*۔ کیمبرج: یونی ورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء۔

کرسٹل، ڈیوڈ۔ *English as a Global Language*۔ کیمبرج: یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۷ء۔

کنگاس، سکتناب۔ *Linguistic Diversity and Biodiversity*۔ نیویارک، ۲۰۰۳ء۔

منٹو، سعادت حسن۔ ٹھنڈا گوشت۔ دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۸۹ء۔

منٹو، سعادت حسن۔ لاؤڈ سپیکر۔ امرتسر: آزاد بک ڈپو، ۱۹۵۵ء۔

نیر، ناصر عباس۔ مابعد نوآبادیات اردو کے تناظر میں۔ کراچی: آکسفرڈ یونی ورسٹی، ۲۰۱۳ء۔

ہاشمی، جمیلہ۔ تلاش بہاراں۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء۔

International Islamic Univ.
CEN
LIB
ISLAMABAD